کتاب گھر
ناظم آباد نمبر ۴ — کراچی ۷۵۶۰۰

نام کتاب ← ہر پریشانی کا علاج
وعظ ← فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب
رحمہ اللہ تعالیٰ
تاریخ طبع ← شوال ۱۴۳۳ھ
مطبع ← حسان پرنٹنگ پریس فون:6642832
ناشر ← کتاب گھر

ملنے کا پتہ

کتاب گھر السادات سینٹر بالمقابل دار الافتاء والارشاد
ناظم آباد۔ کراچی
فون نمبر.....۶۶۸۳۳۰۱ فیکس نمبر.... ۰۲۱-۶۶۲۳۸۱۴

فاروق اعظم کمپوزنگ

فہرست مضامین "ہر پریشانی کا علاج"

صفحہ	عنوان

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ
(۸) حضرت یوسف علیہ السلام	۸۶
(۹) دوسرا قصہ	۸۷
❶ ہمت	۸۸
❷ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مراقبہ	۸۹
❸ اظہار عجز	۸۹
(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام	۹۳
(۱۱) دوسرا قصہ	۹۶
(۱۲) موسیٰ و خضر علیہما السلام	۱۰۲
(۱۳) حضرت سلیمان علیہ السلام	۱۰۹
(۱۴) حضرت زکریا علیہ السلام	۱۱۱
(۱۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۱۱۳
(۱۶) حضرت طالوت	۱۱۳
بیماری اور دوسری پریشانیوں میں ٹی وی کی لعنت سے دل بہلاتے ہیں	۱۱۳
(۱۷) اصحاب کہف	۱۱۵
(۱۸) حضرت جریج	۱۱۷
(۱۹) ایک اور بچہ کی شہادت	۱۱۹
(۲۰) اصحاب غار	۱۲۰
(۲۳) سیف البحر	۱۳۱
(۲۵) من یمنعک منی؟	۱۳۲
(۲۸) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۳۴
(۲۹) غزوۂ بدر	۱۳۶

صفحہ	عنوان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم الله الرحمن الرحيم

وعظ

ہر پریشانی کا علاج

(شوال ۱۴۰۳ھ)

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيأت اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريک له ونشهد ان محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى اله وصحبه اجمعين۔

اما بعد فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم،

﴿ومن يتق الله يجعل له مخرجا ۝ ويرزقه من حيث لايحتسب ومن يتوكل على الله فهو حسبه ان الله بالغ امره قدجعل الله لكل شيء قدرا ۝﴾ (۶۵-۲،۳)

دنیا جاہ کے پریشانیاں:

دنیا میں مختلف پریشانیاں ہیں، مالی پریشانی، عزت کی پریشانی، جان کی پریشانی۔

❶ مالی پریشانی:

ہر انسان مال اور منصب کو دیکھتا ہے کہ لوگ کتنی ترقی کر رہے ہیں، کس قدر مال و دولت جمع کر رہے ہیں، کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں اور میں ابھی وہیں کا وہیں ہوں، ایک مال و منصب کم ہونے کی پریشانی، اور دوسری پریشانی یہ کہ ہائے ساتھ والے کتنی ترقی کر گئے اور میں جوں کا توں رہ گیا، آج کل یہ سوچ سوچ کر دنیا بہت پریشان ہے، اگر سب لوگ یکساں ہوتے تو غم نہ ہوتا، یہی سمجھتے کہ دنیا بس یونہی ہوا کرتی ہے، دنیا میں اسی طریقہ سے گذر کرنا ہے، سب ایک ہی جیسے ہیں، مگر حال یہ ہے کہ کسی کے ہاں تو دولت گنی نہ جا سکے اور کسی پر فاقہ کی نوبت، اس کو ایک فقر و فاقہ کی تکلیف اور دوسروں کو دیکھ دیکھ کر مزید تکلیف پر تکلیف۔

❷ عزت کی پریشانی:

کوئی بڑا منصب نہیں، لوگوں میں وقعت نہیں، لوگ ذلیل سمجھتے ہیں، ایذائیں پہنچاتے ہیں، طرح طرح سے تنگ کرتے ہیں۔

❸ جان کی پریشانی:

اس کی مختلف قسمیں ہیں:

① امراض کی پریشانی:

طرح طرح کے امراض ہیں، مصائب ہیں، حکیموں، ڈاکٹروں سے کوئی فائدہ نہیں ہوا، تعویز گنڈے بھی سب ناکام، علاج پر گھربار بھی اجڑ گیا، مگر پھر بھی اس مصیبت سے نجات نہ ملی۔

② دشمنوں کی پریشانی:

کوئی دشمن مسلط ہو گیا، جس سے جان کا خطرہ ہے، یا ہمیشہ ایذائیں پہنچاتا رہتا ہے، کبھی جسمانی تکلیف پہنچاتا ہے، اور کبھی مالی نقصان۔

③ اچانک حوادث کی پریشانی:

کہیں آگ لگ گئی، سب کچھ جل کر خاکستر ہو گیا، کہیں کوئی ٹریفک کا حادثہ ہو گیا، کوئی عمارت گر گئی، بحری اور فضائی حوادث۔

④ شادی کی پریشانی:

شادی کے لئے مناسب رشتہ نہیں مل رہا، اور جب شادی ہو گئی تو وہ کر چلی ہی چلا رہی ہے۔ لڑکیاں اور ان کے والدین پریشان کہ رشتے نہیں ملتے، تعویذ لے لے کر، دعائیں کروا کروا کر، وظائف پڑھ پڑھ کر اور ہزاروں جتن کر کرا کر جہاں شادی ہوئی تو کیا؟ دوسرے ہی روز اختلافات کی آگ، اور میاں بیوی کے لئے عذاب، دونوں ایک دوسرے کے لئے آفت اور مصیبت۔

⑤ اولاد کی پریشانی:

اولاد نہیں ہو رہی، اور ہزاروں کوششوں کے بعد ہوئی تو جوتے لگا رہی ہے۔

لطیفہ:

ایک ہٹا کٹا شخص بیٹھا پکار رہا تھا "یا اللہ! گھوڑا دیدے" ایک سپاہی کی گھوڑی بیائی، سپاہی نے اس شخص کے چابک لگا کر کہا کہ "یہ بچھیڑا اٹھا کر اصطبل میں پہنچا دے" وہ شخص بچھیڑا اٹھا کر لے جا رہا ہے اور ساتھ ہی یوں کہہ رہا ہے کہ "یا اللہ! تو دعاء سنتا تو

ہے مگر سمجھتا نہیں، میں نے گھوڑا مانگا تھا نیچے کے لئے مگر تو نے اوپر چڑھادیا۔"

یہی حال شادی اور اولاد کا ہے، جن چیزوں کو رحمت اور نعمت سمجھ کر مانگ رہا تھا اور ان کی خاطر پریشان تھا، جب وہ ملیں تو رحمت کی بجائے زحمت اور نعمت کی بجائے عذاب بن کر آئیں ۔

ومن یحمد الدنیا لعیش یسرہ
فسوف لعمری عن قریب یلومہا
اذا ادبرت کانت علی المرء حسرۃ
واذ قبلت کانت کثیرا ہمومہا

"جو شخص عیش و عشرت کے لئے دنیا کی تعریف کرتا ہے وہ یقیناً عنقریب ہی تجربہ کے بعد اس کو ملامت کرے گا، دنیوی لذتیں نہ ہوں تو حسرت اور پریشانی اور مل جائیں تو تفکرات اور پریشانی۔"

غرض یہ کہ یہ دنیا تفکرات اور پریشانیوں کا گھر اور غمکدہ ہے، اور اس کا علاج صرف ایک ہی ہے۔

ہر پریشانی سے نجات کا نسخۂ اکسیر کیمیا تأثیر:

دنیا بھر کے تمام تفکرات اور پریشانیوں کا واحد علاج یہ اور صرف یہ ہے کہ مالک کو راضی کرلیا جائے ۔

کسی کو رات دن سرگرم فریاد و فغاں پایا
کسی کو فکر گوناگوں سے ہردم سرگراں پایا
کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیر آسماں پایا
بس اک مجذوب کو اس غمکدہ میں شادماں پایا
غموں سے بچنا ہو تو آپ کا دیوانہ ہوجائے

جس مالک کے قبضہ میں مال و دولت، منصب و عزت، تندرستی و صحت اور سکون و راحت کے سب خزانے ہیں اس کا ارشاد ہے:

﴿الذین امنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللّٰہ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب ۞ الذین امنوا و عملوا الصلحت طوبی لھم و حسن ماٰب﴾ (۱۳-۲۸، ۲۹)

"وہ لوگ جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے، خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے، جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کے لئے خوش حالی اور نیک انجامی ہے۔"

خواہ مالی پریشانی ہو یا جسمانی، کوئی مرض ہو یا کوئی دشمن مسلط ہو یا کوئی حادثہ ہو، کسی بھی قسم کی کوئی پریشانی ہو، سب پریشانیوں کا علاج ایک مالک کو راضی کرلینا ہے، ارشاد ہے:

﴿من عمل صالحا من ذکر او انثی و ھو مؤمن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ و لنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون﴾ (۱۶-۹۷)

"جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے، اور ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔"

اگر آپ دو کام کرلیں، ایمان ہو اور اعمال صالحہ ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ یقیناً یقیناً یقیناً پرسکون زندگی عطاء فرمائیں گے، اس آیت میں تین تاکیدیں ہیں: لام تاکید، نون ثقیلہ اور قسم، لام تاکید جواب قسم پر داخل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ جس نے ہمیں راضی کرلیا اسے ہم یقیناً یقیناً ہر پریشانی سے نجات دیں

گے، اور پر سکون زندگی عطاء فرمائیں گے، اور فرمایا:

﴿ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا ونحشره یوم القیمة اعمی ○ قال رب لم حشرتنی اعمی وقد کنت بصیرا ○ قال کذلک اتتک ایتنا فنسیتها وکذلک الیوم تنسی ○ وکذلک نجزی من اسرف ولم یؤمن بایت ربه ولعذاب الاخرة اشد وابقی ○﴾ (۲۰- ۱۲۴ تا ۱۲۷)

"اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا، اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے وہ کہے گا کہ اے میرے رب! آپ نے مجھ کو اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو آنکھوں والا تھا، ارشاد ہوگا کہ ایسے ہی تیرے پاس ہمارے احکام پہنچے تھے پھر تونے ان کا کچھ خیال نہ کیا، اور ایسے ہی آج تیرا کچھ خیال نہ کیا جائے گا، اور اسی طرح اس شخص کو ہم سزا دیں گے جو حد سے گذر جائے، اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے، اور واقعی آخرت کا عذاب ہے بڑا سخت اور بڑا دیرپا۔"

یہاں بھی تاکید کے ساتھ فرماتے ہیں کہ جس نے میرے ارشادات سے اعراض کیا اور میرے احکام کی تعمیل نہ کی میں اس پر دنیا کی زندگی تنگ رکھوں گا، اسے دنیا بھر کی سلطنت مل جائے، دنیا بھر کی عزت ومنصب مل جائے، پوری دنیا سمٹ کر اس کے قدموں میں آجائے، مال ودولت، جاہ وحشمت، عظمت وشہرت سب کچھ مل جائے مگر ہم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے اور قطعی طور پہ طے کر رکھا ہے کہ اس کے قلب میں کبھی سکون نہیں آنے دیں گے، اسے ہمیشہ پریشان ہی پریشان رکھیں گے۔ یہ فیصلہ تو دنیوی زندگی کے لئے ہے، اور آخرت میں ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے، وہ کہے گا کہ "یا

اللہ! دنیا میں تو میں اندھا نہیں تھا تو نے مجھے آخرت میں اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ جواب ملے گا کہ "تو دنیا میں میرے احکام کی طرف سے اندھا ہو گیا تھا، اس لئے آج ہم نے تجھے اندھا کر کے اٹھایا ہے" یہ تو حشر کا معاملہ ہے، آگے حساب وکتاب اور اس کے بعد کے مراحل اس سے بھی سخت ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وہ وقت آنے سے پہلے ہمیں اس وقت کے لئے تیاری کی توفیق اور فکر آخرت عطاء فرمائیں۔

غرض یہ کہ ہر پریشانی کا علاج یہ ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کی جائے۔

اعمال صالحہ کا صحیح مطلب:

یہاں ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اعمال صالحہ کے معنی کیا ہیں؟ اس سلسلہ میں عام لوگوں میں بہت بڑی غلط فہمی پائی جاتی ہے، اس لئے مجھے ہر بار اس پر تنبیہ کرنا پڑتی ہے، اعمال صالحہ سے یہ مراد نہیں کہ نفل عبادت زیادہ کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑ دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اتق المحارم تکن اعبد الناس۔ یعنی گناہوں سے بچنا سب سے بڑی عبادت ہے، نوافل، تہجد، تسبیحات، ذکر، تلاوت سب کر لیں مگر صرف ان سے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات نہ ہوگی اور اگر گناہوں سے بچتے رہے، اور معافی مانگتے رہے، توبہ کرتے رہے اور صرف فرائض پڑھتے رہے نوافل نہیں پڑھے تو ضرور نجات ہوگی، گناہوں سے بچنا دواء ہے اور نفل عبادت مقوی غذاء، اگر مریض کا علاج نہ کیا جائے تو صرف مقوی غذاء فائدہ نہیں دیتی بلکہ الٹا نقصان دیتی ہے، ترک گناہ مضبوط بنیاد اور مضبوط تعمیر ہے، اور نفل عبادت اس عمارت پر رنگ وروغن اور نقش ونگار ہیں، اگر بنیادیں مضبوط نہیں تو صرف رنگ وروغن اور نقش ونگار کسی کام نہیں آسکتے۔ گناہوں سے توبہ کرنا قلب کی صفائی اور ریگ مال ہے اور نفل

عبادت اس پر پالش ہے، میلا کپڑا اور زنگ آلود لوہا رنگ و روغن قبول نہیں کرتا، اس رنگ میں نہ چمک آئے گی اور نہ پائدار ہوگا، جب تک اس سے میل اور زنگ کو دور نہ کیا جائے اس پر رنگ و روغن کرنا رنگ کی بے قدری ہے، پہلے گناہوں سے توبہ کرکے قلب کو زنگ سے پاک و صاف کیجئے، پھر نفل عبادت کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کیجئے. حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

آئنت دانی چرا غماز نیست
زانکہ زنگار از رخش ممتاز نیست
رو تو زنگار از رخ او پاک کن
بعد زین این نور را ادراک کن

"تیرے دل کے آئینہ میں اس لئے محبت الہیہ کا عکس نظر نہیں آتا کہ اس پر گناہوں کا زنگار چڑھا ہوا ہے تو اس پر سے زنگار صاف کر تو نور معرفت کا ادراک ہوگا۔"

جہنم سے نجات گناہوں کو چھوڑنے پر موقوف ہے کوئی نفل عبادت کتنی ہی زیادہ کرلے جب تک گناہ نہیں چھوڑے گا جہنم سے نہیں بچ سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿لیجئین اقوام یوم القیمة واعمالهم کجبال تهامة فیؤمر بهم الی النار قالوا یا رسول اللّٰه مصلین؟ قال نعم کانوا یصلون ویصومون یأخذون هنة من اللیل فاذ عرض لهم شیء من الدنیا وثبوا علیه﴾ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۰۳)

قیامت کے دن بہت سی ایسی جماعتیں آئیں گی جن کی نیکیاں بڑے بڑے پہاڑوں جیسی ہوں گی، انہیں جہنم میں پھینکنے کا حکم دیا جائے گا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے

عرض کیا کہ کیا نمازیوں کو جہنم میں پھینکا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں! وہ نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے اور رات میں اٹھ کر عبادت کرتے تھے. مگر کوئی گناہ کا موقع سامنے آتا تو اس پر فوراً جھپٹ پڑتے تھے، ظاہر بات ہے کہ سب پریشانیوں کا علاج جب ہوگا کہ آپ اس مالک کی تمام نافرمانیوں سے توبہ کرکے اس کو راضی کرلیں، وہ مالک تسبیحات اور نفل عبادات سے راضی نہیں ہوتا، نفل نماز، نفل روزہ، نفل صدقات و خیرات اور اوراد و وظائف سے راضی نہیں ہوتا، وہ مالک راضی ہوتا ہے تو صرف نافرنیوں کو چھوڑنے کے بعد، خالق و مخلوق کے حقوق اور فرائض کی بجاآوری کے ساتھ ساتھ گناہوں کو بھی یکسر چھوڑ دے، اگر نوافل اور تسبیحات پر مدوامت کرتا ہے لیکن فرائض میں غفلت برتتا ہے، یا ہر سال حج کرتا ہے، مساکین اور یتامیٰ کی اعانت اور خبرگیری اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور ترقی پر بے انتہاء دولت خرچ کرتا ہے، لیکن ساتھ ساتھ رشوت بھی لیتا ہے، کم تولتا ہے، یا ملاوٹ کرتا ہے یا کسی اور طریقہ سے بندوں کے حقوق غصب کرتا ہے، اور یقین کئے بیٹھا ہے کہ میں نے ایمان کے بعد عمل صالح کی شرط پوری کردی تو وہ دھوکے اور فریب نفس میں مبتلا ہے، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۝﴾ (۱۸-۱۰۴)

"یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا کی کرائی محنت سب گئی گذری ہوئی اور وہ بوجہ جہل کے اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔"

صوفیہ نے تحلی بالفضائل سے پہلے تخلی عن الرذائل پر بہت زور دیا ہے، گناہوں کو ترک کرنا اور فرائض کو ادا کرنا اعمال صالحہ کی بنیاد ہے، جو اس پر کاربند ہو جائے گا اسے اللہ تعالیٰ کا ایسا تعلق نصیب ہوگا کہ نوافل اور اذکار کی توفیق اسے از خود ہو جائے

گی، ذکرِ محبوب کے بغیر وہ رہ ہی نہ سکے گا محبت الٰہیہ اس کے دل میں جاگزیں ہو جائے گی، گناہوں سے تائب ہونے کے بعد بقول حضرت مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ یہ حالت ہو جائے گی ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

فرائض ادا کرنے کے ساتھ گناہوں کو چھوڑنا اور نفل عبادات کی توفیق مل جانا لازم و ملزوم ہیں، نفس اور شیطان نے یہ دھوکا دے رکھا ہے کہ نفل عبادات کرتے چلے جاؤ گناہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں، مشائخ اور واعظین بھی یہی بتاتے ہیں کہ فلاں تسبیح اور اتنے نوافل پڑھ لیجئے، بس اعمال صالحہ پیدا ہوگئے، نہ حرام چھوڑنے کی ضرورت نہ سیئات سے بچنے کی حاجت، سب کچھ کیجئے، بس ان نفل معمولات پر مداومت کیجئے، خالق بھی راضی مخلوق بھی، شیخ بھی خوش رند بھی، دین بھی باقی رہے دنیا بھی ہاتھ سے نہ جائے، اسی جہالت کی بناء پر بے شمار بزعم خود نیک اور صالح لوگ غلط قسم کی رسوم میں مبتلا ہیں، خوشی اور غمی کے موقع پر بدعات تک کے ارتکاب سے نہیں چوکتے، آباء و اجداد کی جہالتوں کی اندھی تقلید کی جاتی ہے، افسوس یہ ہے کہ بتانے والے نہیں رہے۔ یا اللہ! میرے مرنے سے قبل بہت سے بتانے والے پیدا فرما دے، مجھے بہت زیادہ خوشی ہوگی یہ سن کر کہ میرے مرنے سے پہلے بتانے والے پیدا ہوگئے۔ (یہ دعاء مانگتے ہوئے حضرت اقدس دامت برکاتہم کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں آنسو ڈبڈبانے لگے، جامع)

ایک اشکال اور اس کا حل:

اگر کسی کو اشکال ہو کہ یہ عجیب نسخہ عقل میں نہیں آتا کہ کسی کے سر میں درد ہو اور اس سے کہا جائے کہ گناہ چھوڑ دے درد جاتا رہے گا۔ دل کے دورے پڑ رہے

ہیں تو بجائے اس کے کہ کسی ماہر امراض قلب کی طرف رجوع کا مشورہ دیا جائے اس کو یہ بتایا جارہا ہے کہ گناہوں سے توبہ کرلو دورہ ختم ہو جائے گا، اس اشکال کے دو جواب ہیں:

● میں مسلمانوں سے مخاطب ہوں، مسلمان کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمادیا اس پر بلا تردد آمنا و صدقنا کہیں، اور اس کے سامنے بلاچون وچرا سر تسلیم خم کرلیں، کوئی حکم آپ کی عقل میں آئے یا نہ آئے، آپ کی عقل کے سراسر خلاف ہو، آپ کی عقل میں اس کی ذرہ برابر بھی گنجائش نہ ہو، لیکن جس پر آپ کا ایمان ہے اس کا فرمان ہے، اس لئے ماننا پڑے گا۔

❷ عقلی لحاظ سے پہلے یہ سوچیں کہ مال، عزت، صحت، راحت وغیرہ دنیا کی ہر نعمت اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں ہے، معاذ اللہ! کیا دنیا کی کوئی نعمت اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت سے خارج ہے؟ وہ کونسی نعمت ہے جو ان کے خزانہ میں نہیں، اگر آپ پر خدانخواستہ کوئی دشمن مسلط ہے، یا کسی مرض میں مبتلا ہیں، یا مالی تنگی ہے، یا اور کوئی پریشانی ہے تو سوچئے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو ان مصیبتوں سے نجات دینے پر قدرت نہیں؟ ان کے خزانہ میں سب کچھ ہے یہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے، مگر اس کے باوجود سوچنے کے لئے بتا رہا ہوں، اس لئے کہ کسی چیز کا محض علم کافی نہیں، انسان سوچتا ہے تو قلب میں حقیقت کا استحضار ہوتا ہے، اور بات دل کے اندر اترتی ہے، پھر وہ کام کرتی ہے، ورنہ بات معلوم تو ہوتی ہے مگر دل میں نہیں اترتی، اس لئے اس کا اثر نہیں ہوتا۔

دوسری بات یہ سوچیں کہ کیا آپ کسی کو راضی کئے بغیر اس کے خزانہ سے کچھ حاصل کرسکتے ہیں؟ کسی انسان کے خزانہ سے تو اس کو راضی کئے بغیر کچھ نکالنے کی صورتیں ممکن ہیں، چوری کرلیں، ڈاکہ زنی کریں، یا کسی ایسے شخص کی سفارش لائیں کہ

اس کے خوف سے صاحب خزانہ آپ کو کچھ دینے پر مجبور ہو جائے، مگر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تو یہ تدبیریں نہیں چل سکتیں، نہ وہاں کسی کی چوری یا ڈکیتی کی مجال، اور نہ کسی ایسی سفارش کا احتمال جو اللہ تعالیٰ کو مجبور کر دے، بس جب تک آپ انہیں راضی نہیں کر لیتے ان کے خزانہ سے کوئی چیز حاصل نہیں کر سکتے۔

اب ان دونوں باتوں کو ملا کر فیصلہ کیجئے کہ جب ہماری ہر حاجت ان کے خزانہ میں موجود ہے، اور ان کو راضی کئے بغیر قطعاً کوئی چیز ان کے خزانہ سے نہیں نکالی جا سکتی، تو ثابت ہوا کہ اپنا کوئی مقصد حاصل کرنے یا کسی پریشانی سے نجات پانے کا واحد ذریعہ صرف یہی ہے کہ مالک کو راضی کر لیں۔

گناہ چھوڑنے سے پریشانیوں کا علاج کیونکر ہوتا ہے؟:

یہ تو میں ہمیشہ بتاتا ہی رہتا ہوں کہ پریشانیوں کا علاج صرف گناہ چھوڑنے ہی سے ہوتا ہے، لیکن آج ذرا تفصیل سے بتانا چاہتا ہوں کہ نافرمانیوں اور گناہوں کو چھوڑنے سے یا کوئی گناہ ہو جائے تو اس سے فوراً توبہ و استغفار کر لینے سے پریشانیوں کا علاج کیسے ہو جاتا ہے؟ اور ان سے نجات کیسے مل جاتی ہے؟ اس کی وجوہ نمبروار بیان کرتا ہوں۔

ترک گناہ سے دفع پریشانی کی پہلی وجہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ دنیا میں آفات و مصائب ان کی نافرمانی اور گناہوں کا نتیجہ ہیں، گناہوں کو چھوڑ کر اور نافرمانیوں سے توبہ کر کے اگر ان کو راضی کر لیا جائے تو وہ دنیوی راحت و سکون کے تمام اسباب کو موافق بنا دیتے ہیں، اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے واضح ارشادات سنئے:

(۱) ﴿ظهر الفساد فى البر والبحر بما كسبت ايدى الناس

لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون○﴾ (۳۰-۴۱)

”خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزا ان کو چکھا دے تاکہ وہ باز آجائیں۔“

بحروبر کی آفات انسانی بداعمالیوں کی پاداش:

اس آیت میں صریح فیصلہ مذکور ہے کہ بحروبر یعنی سمندر اور خشکی میں آنے والی تمام آفات انسانوں کی بداعمالیوں کی پاداش ہے، پھر فرمایا کہ یہ پوری سزا نہیں بلکہ کچھ نمونہ ہے، پوری سزا آخرت میں ملے گی، دنیا دار جزاء نہیں، اس کے باوجود اس میں کچھ مزا چکھا دیتے ہیں، دنیا میں آفات و مصائب کے طوفان دیکھ کر اندازہ لگائیے کہ یہ مصائب جبکہ پوری سزا نہیں تو بداعمالیوں اور گناہوں کی طغیانی کس حد تک ہے اور ان کی پوری سزا کا کیا عالم ہوگا؟

﴿وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر○﴾ (۴۲-۳۰)

”اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے کاموں سے، اور بہت سے تو وہ درگذر ہی کر دیتا ہے۔“

اس آیت میں بھی یہی ارشاد ہے کہ اکثر بداعمالیوں سے تو وہ دنیا میں درگذر ہی فرما دیتے ہیں، دنیا میں جو مصائب نظر آ رہے ہیں وہ بعض گناہوں کی پاداش ہے، اس کے باوجود دنیا میں اتنے مصائب، اتنی آفات، اتنی پریشانیاں اس سے اندازہ لگالیں کہ ہمیں جتنی پریشانی ہے اس سے ہمارے گناہ ہزاروں درجے زیادہ ہیں۔

❷ ﴿وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم

ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفسقون﴾ (۲۴-۵۵)

’’تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ انہیں ضرور، ضرور زمین میں حکومت عطاء فرمائے گا، جیسا ان سے پہلے فرمانبردار بندوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو ان کے لئے پسند فرمایا ہے اس کو ان کے لئے ضرور، ضرور قوت دے گا، اور ان کے خوف کو ضرور، ضرور امن سے بدل دے گا بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں، میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں اور جو شخص اس کے بعد ناشکری کرے گا تو یہی لوگ فاسق ہیں۔‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمال صالحہ پر تین وعدے فرمائے ہیں۔

① پوری زمین پر حکومت۔

② دین اسلام کا غلبہ۔

③ ہر قسم کے خوف سے امن۔

اعمال صالحہ کا مطلب ہے گناہوں کو چھوڑنا، جیسا کہ پہلے تفصیل سے بتا چکا ہوں، خود اسی آیت کے آخر میں بھی اس کی وضاحت ہے کہ جو لوگ ناشکری اور نافرمانی کرتے ہیں وہ فاسق ہیں، ان کے لئے یہ وعدے نہیں، یہ وعدے صرف فرمانبردار بندوں کے لئے ہیں۔

③ ایک اور جگہ یوں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر تم سچے مؤمن بن جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہر محاذ پر غلبہ عطاء فرمائیں گے۔

ارشاد ہے:

﴿وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین﴾ (۳-۳۹)

"اور تم ہی غالب رہوگے اگر تم پورے مؤمن رہے۔"

❹ ﴿ومن یھاجر فی سبیل اللّٰہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعۃ﴾ (۴-۱۰۰)

"اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور بہت گنجائش۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿المھاجر من ھجر مانھی اللّٰہ عنہ﴾

"مہاجر وہ ہے جو ان کاموں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔"

ہجرت کی روح:

یاد رکھیں ہجرت کی ایک صورت ہے اور ایک اس کی روح ہے، وطن اور گھر چھوڑ دینا یہ صورت ہے، اور گناہوں سے یکسر کنارہ کش ہو جانا ہجرت کی روح ہے، اگر حفاظت دین کی خاطر وطن چھوڑنا ضروری نہ ہو گیا ہو اور کوئی اپنے وطن میں رہتے ہوئے گناہ چھوڑ دیتا ہے تو اللہ کے ہاں یہ مہاجر لکھا جائے گا، لیکن اگر یہ وطن چھوڑ دیتا ہے اور گناہ نہیں چھوڑتا تو اس کا ترک وطن بیکار اور فضول ہے مندرجہ بالا آیت اور حدیث کو ملا کر دیکھیں۔

آیت مبارکہ میں ہے کہ ہجرت کرنے پر رزق کی وسعت اور فراوانی ملتی ہے اور دنیا میں اچھا ٹھکانہ ملتا ہے۔ یعنی ہر پریشانی سے امن اور حدیث سے ثابت ہوا کہ ہجرت کی حقیقت یہ ہے کہ گناہ چھوڑ دے، دونوں کا مفہوم ملانے سے نتیجہ یہ نکلے گا کہ گناہ چھوڑنے پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے وسعت رزق اور اچھا ٹھکانہ ملتا ہے، ہر قسم کی

پریشانیوں سے محفوظ پرسکون زندگی نصیب ہوتی ہے۔

۵ ﴿والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنة ولاجر الاخرة اکبر لو کانوا یعلمون ۝ الذین صبروا وعلی ربھم یتوکلون﴾ (۱۶-۴۱،۴۲)

"اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن چھوڑ دیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا ثواب بدرجہا بڑا ہے، کاش ان کو خبر ہوتی، وہ ایسے ہیں جو صبر کرتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔"

یہاں بھی پھر وہی بات ذہن نشین کرلیں کہ ہجرت کی روح "گناہ چھوڑنا" ہے، بے دین ماحول میں اگر کوئی شخص دیندار بننا چاہتا ہے تو شیطان اور اس کے چیلے بے دین انسان اسے ڈراتے ہیں کہ دیندار بن کر پورے معاشرہ سے کٹ جاؤ گے تو دنیا میں زندہ کیسے رہو گے؟ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کو سوچا کریں جو ان آیات میں مذکور ہیں۔

الذین صبروا وعلی ربھم یتوکلون ۝ اس میں اللہ تعالیٰ نے حالات کا مقابلہ کرنے کا نسخہ ارشاد فرمایا ہے۔ اس نسخہ کے دو جزء ہیں۔ ایک ہمت دوسرا اپنے رب پر توکل

۶ ﴿ولو انھم اقاموا التوریة والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لاکلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم منھم امة مقتصدة وکثیر منھم ساء ما یعملون ۝﴾ (۵-۶۶)

"اور اگر یہ لوگ تورات اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی اس کی پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اوپر سے

اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے، ان میں ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی ہے، اور زیادہ ان میں ایسے ہی ہیں کہ ان کے کردار بہت برے ہیں۔"

❼ ﴿ولو ان اهل القری امنوا واتقوا لفتحنا علیهم برکات من السماء والارض ولکن کذبوا فاخذنهم بما کانوا یکسبون۝﴾ (۷-۹۶)

"اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور گناہوں سے پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے، لیکن انہوں نے تو تکذیب کی۔ تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔"

حضرت ہود علیہ السلام فرماتے ہیں:

❽ ﴿ویقوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیه یرسل السماء علیکم مدرارا ویزدکم قوة الی قوتکم ولا تتولوا مجرمین۝﴾

(۱۱-۵۲)

"اور اے میری قوم! تم اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ، پھر اس کی طرف متوجہ رہو وہ تم پر خوب بارشیں برسائے گا، اور تم کو قوت دے کر تمہاری قوت میں ترقی کردے گا، اور مجرم رہ کر اعراض مت کرو۔"

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں:

❾ ﴿فقلت استغفروا ربکم انه کان غفارا۝ یرسل السماء علیکم مدرارا۝ ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انهارا۝﴾ (۷۱-۱۰ تا ۱۲)

"اور میں نے کہا کہ تم اپنے رب سے گناہ بخشواؤ، بیشک وہ بڑا بخشنے والا

ہے، کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا، اور تمہارے مال و اولاد میں ترقی دے گا، اور تمہارے لئے باغ لگائے گا اور تمہارے لئے نہریں بہائے گا۔"

وسعت رزق اور اطمینان قلب کا نسخہ:

قرآن مجید میں ایک شہر کے باشندوں کی خوش حالی اور پھر گناہوں کی وجہ سے افلاس اور تنگی کا حال یوں بیان فرمایا ہے:

۱۰ ﴿وضرب اللّٰہ مثلا قریۃ کانت امنۃ مطمئنۃ یأتیھا رزقھا رغدا من کل مکان فکفرت بانعم اللّٰہ فاذا قھا اللّٰہ لباس الجوع والخوف بما کانوا یصنعون﴾ (۱۶-۱۱۲)

"اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ بڑے امن و اطمینان میں رہتے تھے، ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں، سو انہوں نے ان نعمتوں کی بے قدری کی، یعنی رب کریم کی نافرمانی کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان حرکات کے سبب ایک محیط قحط اور خوف کا مزا چکھایا۔"

ثابت ہوا کہ گناہوں کو چھوڑنے سے رزق میں وسعت اور معاشرہ میں سکون و اطمینان کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، اور گناہوں کے ارتکاب سے وسعت کی بجائے رزق میں تنگی، امن کی بجائے خوف و خطرات اور پریشانیاں عام ہو جاتی ہیں

۱۱ ﴿لقد کان لسبأ فی مسکنھم ایۃ جنتن عن یمین و شمال کلوا من رزق ربکم واشکروا لہ بلدۃ طیبۃ و رب غفور ○ فاعرضوا فارسلنا علیھم سیل العرم وبدلنا ھم بجنتیھم جنتین ذواتی اکل خمط واثل وشیء من سدر قلیل ○ ذلک جزینھم بما کفروا وھل نجازی الا الکفور ○﴾ (۳۴-۱۵ تا ۱۷)

"سبا کے لئے ان کے وطن میں نشانیاں موجود تھیں، دو قطاریں تھیں باغ کی، داہنے اور بائیں، اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو، عمدہ شہر اور بخشنے والا رب، سو انہوں نے سرتابی کی، تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا، اور ہم نے ان کے دو رویہ باغوں کے بدلے اور دو باغ دیئے، جن میں یہ چیزیں رہ گئیں، بدمزہ پھل اور جھاؤ، اور قدرے قلیل بیری، ان کو یہ سزا ہم نے ان کی ناسپاسی کے سبب دی، اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو دیا کرتے ہیں۔"

١٢ ﴿واضرب لهم مثلا رجلين جعلنا لاحدهما جنتين من اعناب وحففنهما بنخل وجعلنا بينهما زرعا ۝ كلتا الجنتين اتت اكلها ولم تظلم منه شيئا وفجرنا خللهما نهرا ۝ وكان له ثمر فقال لصاحبه وهو يحاوره انا اكثر منك مالا واعز نفرا ۝ ودخل جنته وهو ظالم لنفسه قال ما اظن ان تبيد هذه ابدا ۝ وما اظن الساعة قائمة ولئن رددت الى ربى لاجدن خيرا منها منقلبا ۝ قال له صاحبه وهو يحاوره اكفرت بالذى خلقك من تراب ثم من نطفة ثم سوىك رجلا ۝ لكنا هو الله ربى ولا اشرك بربى احدا ۝ ولولا اذ دخلت جنتك قلت ماشاء الله لا قوة الا بالله ان ترن انا اقل منك مالا وولدا ۝ فعسى ربى ان يؤتين خيرا من جنتك ويرسل عليها حسبانا من السماء فتصبح صعيدا زلقا ۝ او يصبح ماؤها غورا فلن تستطيع له طلبا ۝ واحيط بثمره فاصبح يقلب كفيه على ما انفق فيها وهى خاوية على عروشها ويقول يليتنى لم اشرك بربى احدا ۝ ولم تكن له فئة ينصرونه من دون الله وما كان

منتصرا ۝ هنالک الولایة لله الحق هو خیر ثوابا وخیر عقبا ۝ ﴾ (۱۸- ۳۲ تا ۴۴)

"اور آپ ان لوگوں سے دو شخصوں کا حال بیان کیجئے، ان دو شخصوں میں سے ایک کو ہم نے دو باغ انگورے کے دے رکھے تھے، اور ان دونوں کا کھجور کے درختوں سے احاطہ بنا رکھا تھا، اور ان دونوں کے درمیان کھیتی بھی لگا رکھی تھی، دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے، اور کسی کے پھل میں ذرا بھی کمی نہ رہتی تھی، اور ان دونوں کے درمیان نہر چلا رکھی تھی، اور اس شخص کے پاس اور بھی تمول کا سامان تھا، سو اپنے اس ملاقاتی سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور مجمع بھی میرا زبردست ہے، اور وہ اپنے اوپر جرم کرتا ہوا اپنے باغ میں پہنچا، کہنے لگا کہ میرا تو خیال نہیں ہے کہ یہ باغ کبھی بھی برباد ہو، اور میں قیامت کو نہیں خیال کرتا کہ آئے گی، اور میں اپنے رب کے پاس پہنچایا گیا تو ضرور اس باغ سے بہت زیادہ اچھی جگہ ملے گی، اس سے اس کے ملاقاتی نے جواب کے طور پر کہا کہ کیا تو اس ذات کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تجھ کو صحیح سالم مرد بنایا، لیکن میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ یعنی اللہ تعالیٰ میرا رب ہے، اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، اور تو جس وقت اپنے باغ میں پہنچا تھا تو تونے یوں کیوں نہیں کہا کہ جو اللہ کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے اور بدوں اللہ کی مدد کے کوئی قوت نہیں، اگر تو مجھ کو مال اور اولاد میں کمتر دیکھتا ہے تو مجھ کو وہ وقت نزدیک معلوم ہوتا ہے کہ میرا رب مجھ کو تیرے باغ سے اچھا باغ دے دے، اور اس پر کوئی تقدیری آفت آسمان سے بھیجے جس سے وہ باغ دفعۃً ایک صاف میدان ہو کر رہ جائے یا اس

سے اس کا پانی بالکل اندر اتر جائے پھر تو اس کی کوشش بھی نہ کر سکے اور اس شخص کے سامان تمول کو آفت نے آگھیرا، پس اس نے جو کچھ اس باغ پر خرچ کیا تھا اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا، اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا، اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا، اور اس کے پاس کوئی ایسا مجمع نہ ہوا کہ اللہ کے سوا اس کی مدد کرتا، اور نہ وہ خود بدلہ لے سکا ایسے موقع اللہ برحق ہی کا کام ہے، اسی کا ثواب سب سے اچھا ہے اور اسی کا نتیجہ سب سے اچھا ہے۔"

۱۲ ﴿انا بلونهم كما بلونا اصحب الجنة اذا اقسموا ليصرمنها مصبحين ۝ ولا يستثنون ۝ فطاف عليها طائف من ربك وهم نائمون ۝ فاصبحت كالصريم فتنادوا مصبحين ۝ ان اغدوا على حرثكم ان كنتم صارمين ۝ فانطلقوا وهم يتخافتون ۝ ان لا يدخلنها اليوم عليكم مسكين ۝ و غدوا على حرد قدرين ۝ فلما راوها قالوا انا لضالون ۝ بل نحن محرومون ۝ قال اوسطهم الم اقل لكم لولا تسبحون ۝ قالوا سبحن ربنا انا كنا ظلمين ۝ فاقبل بعضهم على بعض يتلاومون ۝ قالوا يويلنا انا كنا طغين ۝ عسى ربنا ان يبدلنا خيرا منها انا الى ربنا رغبون ۝ كذلك العذاب ولعذاب الاخرة اكبر لو كانوا يعلمون ۝﴾ (۶۸- ۱۷ تا ۳۳)

"ہم نے ان کی آزمائش کر رکھی ہے جیسا کہ ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی، جب کہ ان لوگوں نے قسم کھائی کہ اس کا پھل ضرور صبح چل کر توڑ لیں گے، اور انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہیں کہا، سو اس باغ پر آپ کے رب کی طرف سے ایک پھرنے والا پھر گیا، اور وہ سو رہے تھے، پھر صبح کو وہ

باغ ایسا رہ گیا جیسے کٹا ہوا کھیت، سو صبح کے وقت ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو، اگر تم کو پھل توڑنا ہے، پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے چلے کہ آج تم تک کوئی محتاج نہ آنے پائے، اور اپنے کو اس نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے، پھر جب اس باغ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ بیشک ہم راستہ بھول گئے، بلکہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی، ان میں جو اچھا شخص تھا وہ کہنے لگا کہ کیوں، میں نے تم کو کہا نہ تھا، اب تسبیح کیوں نہیں کرتے، سب کہنے لگے کہ ہمارا رب پاک ہے، بیشک ہم قصوروار ہیں پھر ایک دوسرے کو مخاطب بنا کر باہم الزام دینے لگے، کہنے لگے کہ بیشک ہم حد سے نکلنے والے تھے، شاید ہمارا رب ہم کو اس سے اچھا باغ بدلہ میں دے دے، ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں، اسی طرح عذاب ہوا کرتا ہے، اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑھ کر ہے، کیا خوب ہوتا کہ یہ لوگ جانتے۔"

۱۴ ﴿ان قارون کان من قوم موسی فبغی علیهم واتینه من الکنوز ما ان مفاتحه لتنوء بالعصبة اولی القوة اذ قال له قومه لا تفرح ان اللّٰه لا یحب الفرحین ۞ وابتغ فیما اتک اللّٰه الدار الاخرة ولا تنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللّٰه الیک ولا تبغ الفساد فی الارض ان اللّٰه لا یحب المفسدین ۞ قال انما اوتیته علی علم عندی اولم یعلم ان اللّٰه قد اهلک من قبله من القرون من هو اشد منه قوة واکثر جمعا ولا یسئل عن ذنوبهم المجرمون ۞ فخرج علی قومه فی زینته قال الذین یریدون الحیوة الدنیا یلیت لنا مثل ما اوتی قارون انه لذو حظ عظیم ۞ وقال الذین اوتوا العلم ویلکم ثواب اللّٰه خیر لمن امن وعمل

صالحا ولا یلقھا الا الصبرون ۞ فخسفنا به وبداره الارض فما کان له من فئة ینصرونه من دون اللّٰہ وما کان من المنتصرین ۞ واصبح الذین تمنوا مکانه بالامس یقولون ویکان اللّٰہ یبسط الرزق لمن یشاء من عبادہ ویقدر لولا ان من اللّٰہ علینا لخسف بنا ویکانه لایفلح الکفرون ۞ (۲۸-۷۶ تا ۸۲)

"قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری میں سے تھا، سو وہ ان لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا، اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گراں بار کردیتی تھیں، جب کہ اس کو اس کی برادری نے کہا کہ تو اترا مت، واقعی اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور تجھ کو اللہ نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر، اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش مت کر، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی احسان کیا کر، اور دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو، بیشک اللہ تعالیٰ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا، قارون کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے، کیا اس نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے گذشتہ امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کرچکا ہے جو قوت میں اس سے کہیں بڑھے ہوئے تھے، اور مجمع ان کا زیادہ تھا، اور اہل جرم سے ان کے گناہوں کا سوال نہ کرنا پڑے گا۔ پھر وہ اپنی آرائش سے اپنی برادری کے سامنے نکلا، جو لوگ دنیا کے طالب بنے کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے، واقعی بڑا صاحب نصیب ہے اور جن لوگوں کو فہم عطاء ہوئی تھی وہ کہنے لگے ارے تمہارا ناس ہو، اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اور وہ اس

کو دیا جاتا ہے جو صبر کرنے والے ہیں، پھر ہم نے اس قارون کو اور اس کے محل سرائے کو زمین میں دھنسا دیا، سو کوئی ایسی جماعت نہ ہوئی جو اس کو اللہ سے بچا لیتی، اور نہ وہ خود ہی اپنے کو بچا سکا، اور کل جو لوگ اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے لگے بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جسے چاہے تنگی سے دینے لگتا ہے، اگر ہم پر اللہ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی دھنسا دیتا، بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی۔"

⑮ ﴿ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ﴾ (۶۵-۳)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اس پر عمل کریں تو وہ پریشانی سے نجات کے لئے انہیں کافی ہو جائے۔" اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

⑯ ﴿ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ من امرہ یسرا﴾ (۶۵-۴)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی کر دے گا۔"

ان آیات میں مصائب و آفات سے نجات کا طریقہ اور پریشانیوں کا علاج گناہوں سے توبہ و استغفار اور تقویٰ بیان فرمایا ہے، تقویٰ نفل عبادت یا اوراد و وظائف کو نہیں

کہتے، بلکہ اس کے معنی ہیں گناہوں سے بچنا۔

قرآن مجید علاج روحانی یا دفع آسیب و مجالس خوانی:

اس مضمون کی قرآن مجید میں اور بھی بہت سی آیات ہیں، کہاں تک پڑھوں؟ افسوس ہے کہ آج کے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے ایسے صریح ارشادات پر بھی اعتماد نہیں آتا، یا اللہ! ہم سب کے قلوب میں وہ صلاحیت عطاء فرما کہ تیری ذات پر ہمارا اعتماد بحال ہوجائے، ہمارے قلوب کے زنگ کو دور کردے۔ ہماری بے اعتمادی کو اعتماد سے بدل دے، آج کے مسلمان نے قرآن مجید کو صرف جن بھوت بھگانے کا ذریعہ یا قرآن خوانی کی مجلس میں کھانے پینے کا دھندا بنا رکھا ہے، یہ سوچنے کے لئے ہرگز تیار نہیں کہ قرآن کے احکام اور ہدایات کیا ہیں؟ یا اللہ! تو قرآن مجید کی ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرما۔

حدیث میں اللہ تعالیٰ کو اپنے عجز وانکسار اور اس کی قدرت قاہرہ واسماء غالبہ کے صدقہ سے قرآن مجید کے بارے میں یہ دعاء ہے:

﴿اللھم اجعل القران العظیم ربیع قلبی ونور بصری وجلاء حزنی وذھاب ھمی﴾

"یا اللہ! قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار اور میری آنکھ کا نور اور میرے غم و فکر کا ازالہ بنادے۔"

اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ یا اللہ! قرآن مجید کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمادے، جب اس پر عمل ہوگا تو خود ہی تیرے وعدہ کے مطابق پرسکون زندگی مل جائے گی، دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو پہلے سے گناہ ترک کرچکے ہیں، اللہ تعالیٰ کو راضی کئے ہوئے ہیں، قرآنی تعلیمات دل و دماغ کی گہرائیوں اور سیرت و کردار کی وسعتوں میں رچ بس چکی ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت دل

میں موجود ہے، جب محبت موجود اور تعلق مضبوط ہے تو ظاہر ہے کہ جب محبوب کا کلام زبان پر آئے گا، کان میں پڑے گا آنکھوں کے سامنے سے گزرے گا لازماً سرور و نشاط کی کیفیت پیدا ہوگی، دل باغ و بہار ہو جائے گا، حزن و ملال کے بادل چھٹ جائیں گے، اور ہجوم و مصائب میں بھی خوشی اور اطمینان کی کیفیت پیدا ہوگی، میرا معمول ہے کہ یوں دعاء کیا کرتا ہوں "یا اللہ! قرآن مجید کے انوار و تجلیات کو میرے رگ و پے میں اتار دے، وریدوں اور شریانوں میں جاری فرمادے، دل کی گہرائیوں میں اتار دے، قرآن مجید کے علوم و معارف عطاء فرما، عمل بالقرآن (قرآن کے مطابق عمل) عطاء فرما، مجھے مجسمہ قرآن بنادے، قبر میں نور بنا، آخرت میں شافع (شفاعت کرنے والا) اور مشفع (شفاعت قبول کیا ہوا) بنا، حجاب عن النار (جہنم سے آڑ) بنا، جنت میں باعث ترقی درجات بنا، (اقرأ وارتق (پڑھتا جا اور چڑھتا جا) کا مصداق بنا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "جنت میں قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا" جیسے جیسے پڑھتا چلا جائے گا ویسے ویسے اللہ کے قرب میں بڑھتا جائے گا) یا اللہ! قرآن مجید کو جنت میں اپنے دیدار کا ذریعہ بنا، قرآن مجید کے بارے میں جتنے بھی وعدے اور بشارتیں ہیں وہ سب میرے لئے مقدر فرما، حلاوت قرآن عطاء فرما، محبت قرآن عطاء فرما، عظمت قرآن عطاء فرما، لذت قرآن عطاء فرما،

﴿الذین اتینھم الکتب یتلونہ حق تلاوتہ﴾ (۲-۱۲۱)

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں جس طرح کہ تلاوت کا حق ہے۔"

کی فہرست میں داخل فرما، آخر دم تک قیام اللیل بالقران (تہجد میں قرآن پڑھنے) کی دولت عطاء فرما، یا اللہ! قرآن مجید کو آئینہ جمال یار بنادے یعنی جیسے ہی قرآن زبان پر آئے یا کانوں میں پڑے اس میں تیرا دیدار، تیری تجلی نظر آنے لگے، تیرے کلام میں تو نظر آنے لگے۔

قرآن مجید کی یہ برکات اور ثمرات صرف اسی کو حاصل ہو سکتے ہیں جو قرآن پر عمل کا اہتمام کرے۔

ترک گناہ سے دفع پریشانی کی دوسری وجہ:

جس شخص کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہوتی ہے وہ گناہ نہیں کرتا، اور اپنے مالک کو راضی رکھنے کی فکر میں لگا رہتا ہے، ایسے شخص پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ میرے لئے میرے مالک کی طرف سے مقدر تھی، اس لئے پریشان نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قل لن یصیبنا الا ما کتب اللّٰہ لنا ھو مولٰنا وعلی اللّٰہ فلیتوکل المؤمنون﴾ (۹-۵۱)

"آپ فرما دیجئے ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑ سکتا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمایا ہے، وہ ہمارا مالک ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سپرد سب مسلمانوں کو اپنے کام رکھنے چاہئیں۔"

جس کی طرف سے یہ مصیبت پہنچی وہ ہمارا مولیٰ ہے یعنی دوست اور مددگار ہے، اس لئے اس مصیبت میں یقیناً میرا کوئی فائدہ ہے،

﴿ما یفتح اللّٰہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ﴾ (۳۵-۲)

"اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے سو اس کو کوئی بند کرنے والا نہیں، اور جس کو بند کردے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿واعلم ان ما اصابک لم یکن لیخطئک وما اخطاک لم یکن لیصیبک﴾

"یقین رکھو! کہ جو مصیبت تمہیں پہنچی وہ ہرگز ٹلنے والی نہ تھی، اور جس مصیبت سے تم بچ گئے وہ قطعاً پہنچنے والی نہ تھی۔"

یہ ان چہل حدیث کا ٹکڑا ہے جو "جنت کی بشارت" کے نام سے سامنے فریم میں آویزاں ہیں، ان کے حفظ پر جنت کی بشارت ہے، یہ یاد رکھیں کہ اگر ان احادیث کو صرف یاد تو کرلیا مگر ان پر عمل نہیں کیا تو جنت نہیں ملے گی۔

ایک عجیب دعاء:

نمازوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعاء منقول ہے:

﴿اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد﴾

"اے اللہ! تیری عطاء کو کوئی روک نہیں سکتا، اور تو روک دے تو کوئی دے نہیں سکتا، اور کسی صاحب منصب کو اس کا منصب تجھ سے نہیں بچا سکتا۔"

مالک کی نافرمانی اور گناہوں سے بچنے والے لوگوں کو اس حقیقت کا ہر وقت استحضار رہتا ہے، عام لوگ مصیبت آنے پر پہلے کچھ روز تک خوب چیختے چلاتے ہیں، اور بہت پریشان ہوتے ہیں، پھر کچھ زمانہ گزرنے پر جب صدمہ پرانا ہوجاتا ہے تو کہتے ہیں بس یونہی مقدر تھا، مگر اہل محبت شروع ہی سے یہی سوچتے ہیں اور یہی کہتے ہیں کہ یونہی مقدر تھا، اس لئے یہ شروع ہی سے پریشان نہیں ہوتے، دوسرا فرق یہ ہے کہ یہ عقیدہ تو ہر مسلمان کا ہے کہ سب قادر مطلق کی طرف سے مقدر ہے، تقدیر ٹل نہیں سکتی، جو

مقدر ہے ہو کر رہے گا. مگر ان کے قلوب میں اس عقیدہ کا استحضار نہیں ہوتا چونکہ بات پہلے سے قلب میں راسخ نہیں، دل میں اتری ہوئی نہیں، اس لئے وقت پر یہ حقیقت ان کے دل میں نہیں آتی، جہاں کوئی مصیبت پڑتی ہے تو مصیبت اور عقیدہ کا تصادم اور مقابلہ ہوتا ہے، جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت رچی ہوئی ہوتی ہے، اس کا عقیدہ راسخ اور دل میں اترا ہوا ہوتا ہے، اس لئے مصیبت کی وجہ سے اس کے عقیدہ میں تزلزل پیدا نہیں ہوتا، اس وقت بھی اس کا عقیدہ اس کے سامنے رہتا ہے، غائب نہیں ہو جاتا، اس لئے وہ یوں کہتا ہے کہ جو ہو گیا یہی مقدر تھا، یہ ہونا ہی تھا، وہ یوں حالات کا مقابلہ کرتا ہے، پریشان نہیں ہوتا بلکہ بالکل مطمئن رہتا ہے، اور جس نے محبوب حقیقی کے ساتھ محبت کا تعلق نہیں رکھا، محبت کے زبانی دعوے تو کرتا ہے مگر محبت دل میں نہیں اتری، محبوب کی نافرمانی نہیں چھوڑتا، گناہوں سے باز نہیں آتا، وہ ہزاروں دعوے عقیدہ کے کرتا رہے کہ میں مسلمان ہوں، میرا عقیدہ ہے کہ تقدیر نہیں ٹلتی. مقدر غالب آکر رہتا ہے وہ اس عقیدہ کے گن روزانہ گاتا رہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جہاں اس پر مصیبت آئی اس کا عقیدہ کافور ہو جاتا ہے، اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ یہ بھی اسلام کا کوئی عقیدہ ہے، غرضیکہ کسی کا عقیدہ مصیبت پر غالب رہتا ہے، اور کسی کے عقیدہ پر مصیبت غالب آجاتی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا عقیدہ بدل جاتا ہے، عقیدہ نہیں بدلتا بلکہ اس کا استحضار نہیں رہتا، اس کے برعکس اہل محبت کو بوقت مصیبت بھی اس عقیدہ کا استحضار ہوتا ہے، ان کے قلوب کی گہرائیوں میں اترا ہوا ہوتا ہے، اس لئے بڑے سے بڑے مصائب بھی ان کو پریشان نہیں کر سکتے، ان کا قلب ہر حالت میں مطمئن رہتا ہے۔

ترک گناہ سے دفع پریشانی کی تیسری وجہ:

جو شخص گناہوں سے بچتا ہے وہ یہ سوچتا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی

معاملہ میرے لئے مقدر ہوا اس میں میرا فائدہ ہے، بظاہر دیکھنے میں مصیبت ہے مگر حقیقت میں اس میں میرا فائدہ ہے، مجھے علم ہو یا نہ ہو، میرے شعور میں ہو یا شعور سے باہر ہو لیکن ہے یقیناً میرا فائدہ، کیونکہ میرے محبوب کو میرے ساتھ محبت ہے، میں نے گناہوں سے، نافرمانی سے، معصیت سے اس محبوب کو ناراض نہیں کیا، میں نے محبت کے حقوق اداء کئے، نافرمانی جب بھی ہو جاتی ہے فوراً توبہ کرکے اس مالک کو راضی کر لیتا ہوں، دیر نہیں لگتی، مجھ سے اس مالک کی ناراضی برداشت نہیں ہوتی، جب میں نے اپنے خالق کے ساتھ ایسا محبت کا تعلق رکھا ہوا ہے تو ان کی طرف سے بھی اعلان ہے کہ میرے بندہ کو میرے ساتھ جتنی محبت ہے مجھے اس کے ساتھ اس سے بدرجہا زیادہ محبت ہے، تو اس کو میرے ساتھ محبت بھی ہے، اور وہ میرے حالات کو جانتا بھی ہے، کیا اسے علم نہیں کہ اس بیچارے کے پاس پیسہ نہیں، اس کو فلاں مرض ہے، اس کو فلاں تکلیف ہے، اس کے پیچھے فلاں دشمن لگا ہوا ہے، اس کو فلاں پریشانی ہے، میری ضروریات، میری حاجات، میری تکلیفیں، جو کچھ بھی حالات گذر رہے ہیں وہ محبوب حقیقی دیکھ رہا ہے، سب کچھ اس کی نظر میں ہے، وعین اللّٰہ ناظرۃ الینا ’’اللہ کی آنکھ مجھے دیکھ رہی ہے‘‘ جب یہ دعاء پڑھی جاتی ہے تو مزا ہی آجاتا ہے، ان کی آنکھ ہر وقت دیکھ رہی ہے، ان کو مجھ سے محبت بھی ہے اور وہ مجھے ہر وقت دیکھ بھی رہے ہیں، اور ان کو ہر تکلیف زائل کرنے پر قدرت بھی ہے، قدرت کیسی؟ کوئی اسباب اختیار کرنے کی ضرورت نہیں، مہینوں، ہفتوں، دنوں کی ضرورت نہیں، بس ایک ’’کن‘‘ کہہ دیا اور کام ہو گیا، صرف ذرا سے اشارہ کی دیر ہے ؎

تو شاہوں کو گدا کردے گدا کو بادشاہ کردے
اشارہ تیرا کافی ہے گھٹانے اور بڑھانے میں

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی
جوئے خون باشد اگر نیلش کنی

یا اللہ! تیرے پاس تو وہ کیمیا ہے کہ تو ذرا سا اشارہ کردے تو خون کی نہریں دریائے نیل بن جائیں، میٹھے پانی کا دریا بن جائیں، اب تینوں چیزوں کو ملائیں مالک حقیقی کو مجھ سے محبت بھی ہے، وہ میرے حالات سے بھی خوب اچھی طرح واقف ہے، خوب جانتے ہیں۔ سب ان کی نظروں کے سامنے ہے،
ان حالات کو تبدیل کرنے پر ان کو پوری قدرت بھی ہے۔

مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت والدین سے بھی زیادہ ہے:

اس پر ذرا دنیا کی مثال لے لیجئے، ماں کو اپنے بچہ کے ساتھ محبت بھی ہے، بچہ کی تکلیف کو جانتی بھی ہے اور تکلیف کو دور کردینا اس کے بس میں بھی ہے، اس کے باوجود بھی اگر ماں بچہ کی تکلیف کو زائل نہیں کرتی تو یقیناً اس میں بچہ ہی کا کوئی فائدہ ہے، اسی طرح انسان یہ سمجھتا ہے کہ چونکہ میں نے اپنے مالک کے ساتھ محبت کا تعلق رکھا ہوا ہے، اس کو ناراض نہیں کرتا، اس کی ناراضی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی، توبہ و استغفار کرتا رہتا ہوں، ان کی رضا کی کوشش میں لگا رہتا ہوں، جب میں نے یہ تعلق قائم کر رکھا ہے تو یقیناً ان کو بھی میرے ساتھ محبت ہے، دونوں طرف سے آپس میں محبت کا تعلق ہے وہ میرے حالات کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں، اور پریشانیوں کو زائل کرنے کی قدرت بھی رکھتے ہیں، اس کے باوجود بھی اگر حالات نہیں بدل رہے تو پھر کیا بات ہے؟ اس میں ضرور میرا ہی کچھ فائدہ ہے، مثال سے سمجھ لیں، ماں بچہ کو مضر چیز نہیں کھانے دیتی، اور وہ چیختا ہے، چلاتا ہے، فلاں چیز کھاؤں گا، فلاں چیز کھاؤں گا، مگر ماں سمجھتی ہے کہ وہ نقصان دہ ہے وہ نہیں دیتی، کوئی مصلح، حکیم، ڈاکٹر آپ کا معالج ہے، اور قورمہ آپ کے لئے مضر ہے، وہ قورمہ نہیں کھانے دیتا معدہ فاسد ہے، نقصان

ہوجائے گا، حالانکہ ماں کا علم ناقص، ڈاکٹر کا علم ناقص، ہوسکتا ہے کہ ان کی تشخیص میں کوئی غلطی ہوجائے، ان کی شفقت اور محبت بھی ناقص، مگر اللہ تعالیٰ کی محبت بھی کامل اور اللہ تعالیٰ کا علم بھی کامل، ڈاکٹر تو صرف زبانی ہی روکتا ہے کہ دیکھنا قورمہ مت کھانا نقصان کرے گا، مگر اللہ تعالیٰ کی بندوں کے ساتھ وہ محبت وشفقت وہ رحم وکرم کا معاملہ ہے کہ اگر اس کو ایسے روکا تو یہ بندہ ایسا بے صبر ہے کہ رکے گا نہیں، اس لئے وہ زبردستی اس چیز سے روک دیتے ہیں، ڈاکٹر کڑوی دواء دیتا ہے، انجکشن لگاتا ہے، آپریشن کرتا ہے، اور بجلی کے شدید جھٹکے لگاتا ہے۔ یہ ساری چیزیں کیوں برداشت کی جاتی ہیں؟ اس خیال سے کہ ڈاکٹر جو کچھ بھی کررہا ہے دشمنی سے نہیں کررہا، ہماری ہی خیر خواہی میں یہ سب کچھ کررہا ہے، حالانکہ وہ پیسہ بھی لیتا ہے، اس کی محبت بھی مشتبہ، اس کی تشخیص مشتبہ، اس کا کمال مشتبہ، مگر اللہ تعالیٰ کی محبت کاملہ، حکمت کاملہ، مصلحت کاملہ، اس لئے جو کچھ بھی ان کی طرف سے ہوتا ہے اس میں بہتری ہی بہتری ہے۔ قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے کہ انہوں نے مساکین کی کشتی کو ظالم بادشاہ سے بچانے کی غرض سے کشتی کا ایک تختہ توڑ دیا، اور ایک بچہ کے والدین کے دین کی حفاظت کے لئے بچہ کو قتل کردیا، یہ دونوں چیزیں بظاہر کتنی سخت مصیبت کی ہیں، مگر حکمت معلوم ہونے پر ثابت ہوا کہ یہ مصیبت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عین رحمت کا معاملہ تھا، جس قلب میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت پیدا ہوجائے وہ ہر حالت میں مطمئن رہتا ہے کہ میرے لئے یہی مفید ہے، جس حد تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں گے، اس کی مخالفت کو چھوڑیں گے اسی حد تک یہ استحضار بڑھے گا کہ جو معاملہ بھی ہے محبت پر مبنی ہے۔ "ھو مولنا" (وہ ہمارا محبوب ہے) ہم سے محبت رکھتا ہے ہمارا کارساز ہے، محبت کا تعلق ہے، جس قدر یہ استحضار بڑھے گا اسی حد تک سکون واطمینان پیدا ہوگا، پریشانی کا علاج ہوتا رہے گا کہ یہ جو کچھ بھی ہورہا ہے میرے محبوب کی طرف سے محبت کا معاملہ ہورہا ہے۔

ایک عجیب حکایت:

حضرت عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے ماتحت ایک ریاست کا ہندو راجہ مرگیا، اس کا بیٹا کم سن تھا، اس لئے یہ امر قابل غور تھا کہ حکومت اس کے سپرد کی جائے یا نہیں، آپ نے اس لڑکے کو معاینہ کے لئے بلوایا، جب وہ حاضر ہوا اس وقت آپ حوض کے کنارہ پر تھے، دل لگی کے طور پر اس بچہ کو دونوں بازوؤں سے اٹھا کر تالاب کے اوپر لٹکا کر فرمایا، چھوڑ دوں اس نے کہا کہ جس کا ہاتھ آپ جیسے بادشاہ کے ہاتھ میں ہو اس کو ڈوبنے کا کیا خطرہ؟ آپ نے یہ عجیب جواب سن کر حکومت اس کے سپرد کرنے کا فیصلہ فرمادیا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذات پر ایسا اعتماد عطاء فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کس طرح راضی ہوتے ہیں:

ایک بار پھر سن لیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح راضی ہوتے ہیں۔ وہ نہ آپ کی تسبیحات سے راضی ہوں گے، نہ آپ کے نوافل سے راضی ہوں گے، نہ آپ کی تہجد اور اشراق سے راضی ہوں گے، وہ راضی ہوں گے تو صرف گناہوں کو چھوڑنے سے، ایک مشہور تابعی حضرت علاء بن زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں صحیح بخاری میں ہے کہ وہ لوگوں کو جہنم سے بہت ڈراتے تھے۔ اس سے بچنے کے لئے بہت تاکید فرماتے تھے، کسی نے ان سے کہا آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید کیوں کرتے ہیں؟ اور آپ بار بار یہی کہتے رہتے ہیں، تو فرمایا کہ "تمہارا ذہن یہی بن گیا ہے کہ تم گناہ بھی کرتے ہو اور تمہیں جنت کی بشارتیں بھی ملتی رہتی ہیں، یہ نہیں ہوسکتا" جب اس وقت میں لوگوں کے ذہن یہ بن گئے تھے تو آج تو پھر کیا ہی کہنا۔ آج تو سب یہی کہتے ہیں، اتنی بار کلمہ سوم پڑھ لیجئے، کلمہ چہارم پڑھ لیجئے، تو سیدھے جنت چلے جائیں گے، اتنی بار فلاں وظیفہ پڑھ لیجئے تو رزق کے دروازے کھل جائیں گے، اتنی بار فلاں چیز پڑھ لیجئے تو پھر

حصار ہی بن جاتا ہے، اور اس حصار میں نہ کوئی جن آئے، نہ کوئی بھوت، نہ پریت، اور نہ کوئی اس میں سفلی آئے، اور نہ کوئی دشمن، گویا نعوذ باللہ! آپ کا کھینچا ہوا حصار اللہ تعالیٰ کے حصار پر غالب آجاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حصار پر کوئی چیز غالب نہیں آسکتی، اللہ تعالیٰ تو یوں فرماتے ہیں کہ حصار یہ ہے کہ مجھے راضی کرلو، گناہوں کی زندگی سے توبہ کرلو، ورنہ کوئی حصار کام نہیں دے گا، کہتے ہیں کہ آیۃ الکرسی پڑھ کر تالی بجادیجئے تو جہاں تک تالی کی آواز جائے گی چور نہیں آئے گا۔

فضائل والی احادیث کا صحیح مطلب:

فضائل سے متعلق احادیث کا مطلب حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ سے دریافت کیجئے، وہ ایسی احادیث کی تشریح دوسری مشہور احادیث اور قرآن مجید کے واضح ارشادات کی روشنی میں فرماتے ہیں، مثلاً:

﴿من قال لا الٰہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ﴾ (رواہ البخاری)

”جس نے ایک بار لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا وہ سیدھا جنت میں چلا جائے گا۔“

ایک طرف تو یہ حدیث ہے اور دوسری جانب پورا قرآن اور احادیث اس سے بھری پڑی ہیں کہ بدعملی پر جہنم کی سزائیں ہیں، جس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر کبر ہوگا اس پر جنت حرام ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دوگے؟ علماء کو تنبیہ کرنا چاہتا ہوں کہ جو جوابات آپ نے اپنے اساتذہ سے پڑھے ہیں، حدیث کی کتابوں میں دیکھے ہیں، وہی جوابات دنیوی مقاصد کے لئے وظائف اور عملیات سے متعلق احادیث میں بھی سامنے رکھئے، میں بتاتا رہتا ہوں کہ جب تک گناہوں سے توبہ نہیں کی جنت میں نہیں جاسکتے دنیا میں بھی عزت اور سکون وراحت نہیں مل سکتی، یہ شریعت کا اصول ہے، اس لئے جہاں آپ کی نظروں سے یہ چیزیں گذرتی ہیں کہ سورۂ مزمل پڑھنے سے وسعت رزق ہوجائے گی، فلاں وظیفہ سے یہ کام ہوجائے گا، اور فلاں سے یہ ہوجائے

گا، ان کو بھی اسی تقریر کے مقام میں لایئے جو "من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ" میں ہے، ورنہ اگر ایسی بات ہے کہ سورۂ اخلاص پڑھنے ہی سے سب کچھ ہو جائے تو سارے احکام یونہی بیکار جائیں گے، خوب سمجھ لیں کہ پر سکون زندگی ملتی ہے گناہوں اور منکرات کو چھوڑنے سے اور توبہ و استغفار کرنے سے۔

ترک گناہ سے دفع پریشانی کی چوتھی وجہ:

جو شخص مالک کی نافرمانی اور گناہوں کی زندگی سے توبہ کر کے اپنے مالک کو راضی کر لیتا ہے، اور اس کے ساتھ محبت کا تعلق پیدا کر لیتا ہے، وہ ہر مصیبت اور پریشانی کو اپنے مالک کی طرف سے امتحان سمجھتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ جو مالک میرا امتحان لے رہا ہے اس کو میرے ساتھ انتہائی محبت ہے، اس لئے یہ امتحان ذلیل کرنے کے لئے نہیں بلکہ انتہائی اعزاز اور درجات قرب اور گراں قدر انعامات سے نوازنے کے لئے ہے، اگر امتحان کوئی بری چیز ہے تو پوری دنیا رات دن امتحانات کے چکروں میں کیوں ہے؟ کامیابی کے بعد ڈگریوں کے اعزاز اور بڑی تنخواہوں کا تصور اور توقع امتحانات کی مشقت کو آسان کر دیتی ہے، حالانکہ دنیوی امتحانات میں ممتحن کی محبت ناقص بلکہ مشکوک بلکہ بسا اوقات عداوت، پھر امتحان میں کامیابی کا یقین نہیں، پھر کامیابی پر ملازمت ملنے کا یقین نہیں اور ملازمت مل بھی گئی، تو آخر کب تک؟ بہر حال فانی ہے، اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی محبت کامل، ان کی طرف متوجہ رہنے والوں اور ان کی نافرمانی سے بچنے والوں کے لئے امتحان میں کامیاب کر دینے کا یقینی وعدہ۔

﴿والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین﴾ (۲۹-۶۹)

"اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقت برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور بالضرور دکھائیں گے، اور بیشک اللہ تعالیٰ ایسے خلوص والوں

کے ساتھ ہے۔"

سبحان اللہ! ممتحن خود ہی پرچہ حل کروا رہا ہے، امتحان بہت آسان اور کامیابی پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بے حد وحساب انعامات کی بارشیں، ارشاد ہے:

﴿وبشر الصبرین الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا للہ وانا الیه راجعون ○ اولئک علیهم صلوت من ربهم ورحمة واولئک هم المهتدون﴾ (۲-۱۵۶،۱۵۷)

"اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں، اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں، ان لوگوں پر خاص رحمتیں بھی ان کے رب کی طرف سے ہوں گی اور عام رحمت بھی ہوگی، اور یہی لوگ ہیں جن کی رسائی ہوگئی۔"

ان آیات میں ارحم الراحمین نے پہلے ہی سے اپنے بندوں کو متنبہ فرمادیا کہ دیکھو! امتحان محبت ضرور ہوگا، گھبرانا نہیں، چونکہ یہ امتحان محبت پر مبنی ہے اس لئے بہت آسان ہوگا، اور اس پر انعامات بہت ہی گراں قدر اور بے حد وحساب ہوں گے، شیء نکرہ ہے اور من تبعیضیہ ہے، دونوں تقلیل کے لئے ہیں، یعنی بہت تھوڑا سا امتحان لیں گے، اور اس پر انعامات کی بشارت میں صلوات اور رحمۃ کی تنکیر تعظیم وتکثیر کے لئے ہے اور المھتدون کا تمغہ مزید، ایسے رب مجید پر کیوں جان ودل فدا نہ ہو۔

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد
آنچہ در وہمت نہ آید آں دہد

"ذرا سی محنت کروا کر بے شمار اور وہم وگمان سے بالاتر انعامات سے نوازتا ہے۔"

ترک گناہ سے دفع پریشانی کی پانچویں وجہ:

نافرمانیوں اور گناہوں کو چھوڑنے سے قلب میں جو صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اس کا ایک اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کی نظر ہمیشہ نعمتوں اور راحتوں پر رہتی ہے، وہ سوچتا ہے کہ اگر ایک تکلیف ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کتنی ہیں، وہ تکلیف پر نظر نہیں کرتا، بلکہ نعمتوں پر نظر رکھتا ہے، کہ میرے مالک کی مجھ پر کتنی بے شمار نعمتیں ہیں، کیا فرمایا:

اذا اشتدت بک البلوی ففکر فی الم نشرح
فعسر بین یسرین اذا فکرته فافرح

"اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر کوئی مصیبت پہنچے تو سورۂ الم نشرح پر غور کیجئے، اس سے معلوم ہوگا کہ ایک تنگی کے ساتھ دو نعمتیں ہیں۔"

اور دو سے مراد صرف دو ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس مہربان مالک کی طرف سے نعمتیں اور راحتیں زیادہ ہیں اور تکلیفیں کم۔

حضرت لقمان علیہ السلام کا قصہ:

حضرت لقمان علیہ السلام پہلے غلام تھے، ان کے آقا نے ایک بار کہا کہ باغ سے لاکر ایک ککڑی کھلاؤ، وہ ککڑی لے گئے تو مالک نے کہا کہ پہلے اسے تم خود چکھ کر دیکھو، کڑوی تو نہیں؟ انہوں نے جو کھانا شروع کی تو خوب مزے سے کھا رہے ہیں اور "واہ سبحان اللہ، واہ سبحانہ اللہ" کہہ رہے ہیں جیسے بڑی مزے دار ہو، جب مالک نے کھائی تو وہ سخت کڑوی، پوچھا کہ تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟ یہ تو سخت کڑوی ہے، فرمایا کہ جس آقا کے ہاتھ سے ہزاروں میٹھی چیزیں کھائیں، اس آقا کے ہاتھ سے اگر ایک چیز کڑوی مل گئی تو کیا منہ بناؤں؟

نعمتیں تکالیف پر غالب ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ تشریف لے جارہے تھے، آپ کے ساتھ کچھ رفقاء بھی تھے، ایک شخص پر گذر ہوا جو اندھا، لنگڑا، لولا، اپاہج، اور ساتھ ساتھ برص کا مریض تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے رفقاء سے پوچھا کہ بتائیے، اس سے بھی آخرت میں نعمتوں سے متعلق سوال ہوگا؟ قرآن مجید میں ہے:

﴿ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم﴾ (۱۰۲-۸)

"نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا کہ ان کا کیا شکر اداء کیا تھا؟۔"

رفقاء نے جواب دیا کہ اس بے چارہ کے پاس ہے ہی کیا جو اس سے سوال ہوگا؟ نہ ہاتھ نہ پاؤں، نہ آنکھیں، حتی کہ اس کی چمڑی بھی صحیح نہیں، فرمایا کہ اس سے بھی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا کیا اس کے کھانے، پینے اور اس کے پیشاب پاخانہ کا راستہ صحیح نہیں ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کھانے کا راستہ یا پینے کا راستہ بند فرمادیں یا ان کی نکاسی کا راستہ بند فرمادیں تو کیا ہو؟ یہ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف ایک مثال بیان فرمادی؛ ورنہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو بے شمار ہیں۔

﴿وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا﴾ (۱۴-۳۴،۱۶-۱۸)

"اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کرسکتے۔"

جس قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوجاتی ہے وہ نعمتوں کو دیکھتا ہے زحمتوں اور تکلیفوں کو نہیں دیکھتا۔

نیک بیوی کی پہچان:

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا قصہ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ جب وہ جوان ہوگئے تو

آپ نے بنی جرہم قبیلہ میں شادی کرلی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خیال ہوا کہ جاکر حالات دیکھوں، وہاں پہنچے تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مکان پر نہیں تھے۔ان کی بیوی سے دریافت فرمایا کہ معاشی حالت کیسی ہے؟ اس نے کہا کہ بڑی تنگی ہے، بڑی تکلیف میں ہیں، گذارہ بڑی مشکل سے ہورہا ہے۔

اس قسم کی کچھ شکایت کی. فرمایا کہ جب تمہارے میاں آئیں تو میری طرف سے سلام کہنا اور یہ پیغام بھی دے دینا: غیر عتبۃ بابک۔ اپنے دروازہ کی چوکھٹ بدل ڈالو" حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جب گھر واپس آئے تو انہوں نے کسی طرح سے محسوس کرلیا کہ ابا آئے تھے، بیوی سے پوچھا تو اس نے کہا ہاں ایک بڑے میاں آئے تھے، انہوں نے مجھ سے حالات پوچھے تو میں نے حالات بتائے، اس کے بعد وہ آپ کو سلام اور یہ پیغام دے گئے ہیں کہ اپنی دروازہ کی چوکھٹ بدل دو، فرمایا کہ وہ میرے ابا تھے، اور ان کے پیغام کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں طلاق دے دوں، اس لئے کہ تو ناشکری ہے. اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر نظر نہیں، اس لئے تو نے شکایت کی، مہربانی کرکے اپنے میکہ تشریف لے جاؤ، پھر دوسری شادی کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پھر دیکھنے کا خیال ہوا، تشریف لے گئے، مگر دوسری بار بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر میں نہیں تھے۔

وجہ یہ تھی کہ ان کا گذارہ شکار پر تھا، پیداوار تو وہاں کچھ تھی نہیں، شکار کرکے لاتے تھے اسی پر گذر کرتے، اس لئے تقریباً روزانہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو شکار پر جانا پڑتا تھا۔

اس دوسری بیوی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کیا حال ہے؟ اس نے کہا الحمد للہ! بہت اچھی حالت ہے، بہت کچھ تعریفیں کیں، کہ اللہ تعالیٰ نے بہت نعمتیں دے رکھی ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے میاں آئیں تو میرا سلام کہنا، اور یہ پیغام دے دینا "ثبت عتبۃ بابک" "اپنے دروازہ کی

چوکھٹ برقرار رکھو" جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تشریف لائے اور پیغام سنا تو فرمایا کہ وہ میرے ابا تھے، تم شکر گزار بندی ہو، اس لئے وہ مجھے حکم فرما گئے ہیں کہ تمہیں کبھی بھی طلاق نہ دی جائے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکر نعمت پر مزید نعمت اور یہ احسان ہوا کہ یہ حکم مل جاتا ہے کہ اس کو کبھی طلاق نہ دی جائے، اور ہمیشہ کے لئے نبوت کے خاندان میں رہے، یہاں ایک بات سوچنے کی ہے، وہ یہ کہ جو حالات پہلی بیوی کے وقت تھے بعینہٖ وہی حالات دوسری بیوی کے وقت بھی تھے، حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی مگر اس حالت کو ایک انسان کہتا ہے کہ کچھ بھی نہیں، بھوکے مر رہے ہیں اور اسی حالت کو دوسرا کہتا ہے کہ سب کچھ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ضرورت سے بھی بہت زیادہ دے رکھا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ کسی کے پاس کچھ ہے یا نہیں اس کا دارومدار مال و دولت کی کثرت پر نہیں بلکہ اس کا مدار قلب کی صلاحیت پر ہے، ایک قلب وہ ہے کہ کچھ بھی گھر میں نہ ہو، مگر وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں، بہت بڑے احسانات ہیں وہ احسانات اور انعامات کو دیکھتا ہے، اور ایک قلب میں وہ ہوس ہے کہ پوری دنیا کی دولت بھی گھر میں بھری ہو مگر وہ ہمیشہ یہی کہتا ہے کہ کچھ بھی نہیں فقر و فاقہ میں مر رہے ہیں، حاصل یہ کہ جس قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی نظر نعمتوں اور احسانات پر رہتی ہے، مثبت چیزوں پر نظر رہتی ہے، منفی پہلو پر نہیں رہتی، وہ تو یہی سمجھتا ہے کہ یہ بھی مالک کا کرم ہے یہ بھی مالک کا کرم ہے، یہ بھی مالک کا کرم ہے سب کرم ہی کرم ہے۔

انسان ایک چلتا پھرتا گھر:

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب اللہ تعالیٰ کی محبت میں سلطنت چھوڑ کر بیابان کی زندگی اختیار فرمائی، تو سوچا کہ صرف ضرورت کی چند چیزیں ساتھ لے لوں۔ لباس صرف ایک جوڑا، کھانے اور پینے کے لئے ایک پیالہ، ایک تکیہ، اور بوقت

ضرورت کنویں وغیرہ سے پانی کھینچنے کے لئے ڈول اور رسی، لباس کا جوڑا، راستہ میں کسی چرواہے سے تبدیل کر دیا، شاہی پوشاک اس کو دے کر اس کی گدڑی پہن لی، آگے راستہ میں دیکھا کہ ایک شخص نہر سے چلو سے پانی پی رہا ہے تو خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے پیالہ تو انسان کے جسم ہی میں لگا دیا ہے میں نے پیالہ بیکار اٹھایا، اس کو پھینک دیا، آگے دیکھا کہ ایک شخص اپنے بازو پر سر رکھ کر سو رہا ہے تو خیال ہوا کہ تکیہ بھی بلاضرورت ہی اٹھایا، اللہ تعالیٰ نے تکیہ بھی انسان کے جسم ہی میں لگا دیا، اس کو بھی پھینکا، آگے دیکھا کہ ایک پیاسا ہرن ایک کنویں پر کھڑا ہے، اس کو دیکھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے پانی کا انتظام کیسے فرماتے ہیں؟ ہرن نے آسمان کی طرف دیکھا، اس کے بعد کنویں کی طرف دیکھا تو پانی اوپر آچکا تھا، ہرن پانی پی کر چلا گیا، اس کے بعد یہ کنویں پر پہنچے تو پانی پھر نیچے چلا گیا، اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ! ابراہیم نے تیری محبت میں بادشاہت کو چھوڑا اس کے باوجود اس کا درجہ ہرن جیسا بھی نہیں؟ کہ اس کی خاطر تو نیچے کا پانی اوپر آگیا، اور میرے پہنچنے کے بعد اوپر آیا ہوا پانی نیچے چلا گیا، آواز آئی کہ ہرن کے پاس ڈول رسی نہیں، ابراہیم کے پاس ڈول رسی ہے، اب سمجھے کہ یہ بھی بیکار ہے، اس کو بھی پھینک دیا۔

شادی کی خواہش ہو تو کیسی؟

شاہ شجاع کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح اللہ تعالیٰ کے عشق میں بادشاہت کو چھوڑا تھا، اتنا فرق تھا کہ ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے درویشانہ، فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کر لی اور انہوں نے سلطنت تو چھوڑ دی تھی مگر زندگی وہی رئیسانہ تھی، آپ کی صاحبزادی نے درخواست کی کہ ابا! میری شادی کسی زاہد سے کرنا، وہ منتظر رہے کہ کوئی زاہد ملے تو معاملہ طے ہو، مگر زاہد کہاں سے ملے، بہت مشکل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسانوں کی مثال ایسی ہے کہ آپ کے سامنے سو اونٹ ہوں، ان میں سے سواری کے قابل ایک اونٹ بھی بڑی مشکل سے ملتا ہے۔

شاہ شجاع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک روز مسجد میں ایک نوجوان کو نماز پڑھتے دیکھا، اس کی نماز کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ زاہد ہے، وہ نوجوان جب نماز سے فارغ ہوا تو شاہ شجاع رحمہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا صاجزادے! آپ کی شادی ہوگئی ہے؟ انہوں نے کہا:

"میرے جیسے مسکین شخص کو کون رشتہ دے گا؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت بیٹھی ہوئی تھی، مشرکین میں سے ایک رئیس گزرا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، یہ کیسا شخص ہے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ بہت بڑا رئیس ہے، کہیں سفارش کرے تو فوراً قبول ہو، اور کہیں رشتہ کا پیغام بھیجے تو فوراً قبول ہو (بلکہ رئیسوں کے پاس تو از خود رشتے آتے ہیں) تھوڑی دیر کے بعد حضرت جعیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ایسا مسکین ہے کہ کہیں سفارش کرے تو قبول نہ ہو، اور اگر کہیں شادی کا پیغام بھیجے تو اس کی شادی نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو پہلا کافر رئیس گزرا ہے اس جیسوں سے یہ ساری دنیا بھر جائے تو تمام کے تمام ملا کر بھی اس ایک مسکین کے برابر نہیں ہوسکتے۔"

قدر و منزلت وہ ہے جو مالک کی نظر میں ہو، منصب و عزت وہ ہے جو وطن آخرت کے لئے مقدر ہو، اللہ تعالیٰ کے یہاں مال و دولت سے قرب حاصل نہیں ہوتا، بلکہ صرف ان کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے، شاہ شجاع رحمہ اللہ تعالیٰ کا قصہ چل رہا تھا۔ اس نوجوان نے کہا، مجھے کون رشتہ دے گا! تو شاہ شجاع رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اگر

تمہاری شادی شاہ شجاع کی بیٹی سے ہو جائے تو کیسا رہے گا؟ وہ کہنے لگا، جوتے کھلواؤ گے؟ نوجوان نے پہچانا نہیں کہ یہی شاہ شجاع رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں انہوں نے کہا کہ صاحب زادے شاہ شجاع میں ہی ہوں میں اپنی بیٹی کا رشتہ تمہارے ساتھ کرنا چاہتا ہوں، اب وہ بولے آپ تو ٹھہر مقربین میں سے، مگر رشتہ تو آپ کی صاحبزادی سے ہوگا، وہ اس کو ہرگز پسند نہیں کرے گی، شاہ شجاع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میری بچی ہی نے یہ درخواست کی ہے کہ کسی زاہد سے اس کی شادی کی جائے، شادی ہوگئی، شاہ کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی صاحبزادی کو ساتھ لے کر محل سے اس فقیر کے یہاں جھونپڑی میں پہنچے، جیسے صاحبزادی نے جھونپڑی میں قدم رکھا تو چلا اٹھی کہ ابا! تونے مجھے ڈبو دیا، تو وہ نوجوان بولے، دیکھئے حضور! میں نے پہلے ہی نہیں کہا تھا کہ یہ تو آپ کا خیال ہے، آپ کی صاحبزادی میرے ساتھ صبر نہیں کرسکے گی، تو وہ خاتون بولیں کہ کچھ معلوم بھی ہے کہ میں کس بات پر چلائی؟ میں نے جھونپڑی میں داخل ہوتے ہی دیکھا کہ مٹکے پر روٹی کا ٹکڑا رکھا ہوا ہے، یہ بچا کر کیوں رکھا ہے؟ جس کو اللہ تعالیٰ پر اتنا اعتماد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ آگے بھی رزق عطاء فرمائیں گے، وہ زاہد کیسا؟ انہوں نے کہا بات یہ ہے کہ آج میرا روزہ ہے، سحری جو میں نے کھائی اس سے ٹکڑا بچ گیا، تو اسے افطار کے لئے رکھ دیا، یہ ضرورت سے زائد نہیں ہے، صاحبزادی پھر بولیں کہ اسی کا تو رونا رو رہی ہوں کہ جس مالک نے سحری کے وقت کھلایا اس پر اتنا اعتماد نہیں کہ وہ افطار کے وقت بھی کھلائے گا۔

ہر پریشانی کا علاج ہوس کو لگام:

یہ سب قصے کیوں بتائے جاتے ہیں؟ میرا مقصد یہ نہیں کہ آپ بھی گھر بار چھوڑ کر ابراہیم بن ادہم اور شاہ شجاع رحمہ اللہ تعالیٰ کی بیٹی جیسے بن جائیں، مقصد یہ ہے کہ ہوس کو کچھ تو لگام لگے، یہ جو پریشانی ہے کہ فلاں اتنا بڑا مالدار، فلاں کی ملک سے باہر جانے

سے اتنی بلڈنگیں بن گئیں، اتنی کاریں ہوگئیں، فلاں کے اتنے کارخانے ہوگئے، فلاں اتنی ترقی کرگیا، اسی فکر میں جو گھل گھل کر مر رہے ہیں اللہ کرے کہ اس ہوس کو لگام لگ جائے، محض ہوس نے لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے، اس ہوس کا علاج ہو جائے تو ساری پریشانیاں اور مصیبتیں دور ہو جائیں۔

میرا ایک سبق آموز قصہ:

میں نوعمری میں ایک بار اپنے کسی ملازم یا مزارع کو ساتھ لے کر پیدل سفر کر رہا تھا، سندھ میں دیہات کا سفر تھا، راستہ میں رات ہوگئی، آگے ایک بستی آئی، وہاں کے ایک باشندہ سے ملازم نے کہا کہ ہم مسافر ہیں یہاں رات گزارنا چاہتے ہیں، آپ کے ہاں اس کی گنجائش ہے؟ اس نے ہمارا بہت پرتپاک استقبال کیا، بار بار "خوش آمدید" اور "سر آنکھوں پر آئے" کہتا رہا، محبت میں بچھا ہی چلا جا رہا تھا، اس نے یوں کہا کہ آپ نے ٹھہرنے کے لئے گنجائش کیوں دریافت کی؟ قحط کا زمانہ نہیں اللہ کے فضل سے نہایت فراوانی کا زمانہ ہے، ہم جب اس کے گھر گئے تو دیکھا کہ ایک نہایت ہی خستہ جھونپڑی ہے، ٹوٹی ہوئی چارپائی اور سوکھی روٹی سے ہماری تواضع کی گئی، کیا سبق آموز حال ہے کہ اس فقر و فاقہ میں وہ شخص کتنا خوش اور کس قدر مطمئن تھا۔

بڑی دولت کیا ہے؟:

ایک بار ایک شخص نے بیعت کی درخواست کی، میں نے قاعدہ کے مطابق جواب دیا کہ کچھ مدت آمد و رفت اور مجلس میں حاضری کا معمول رکھو، اس کے بعد دیکھا جائے گا، وہ کہنے لگا کہ بیعت ہونے سے میرا کوئی دنیوی مقصد نہیں، دنیا اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت دی ہے، دنیوی نعمتوں کی کثرت اور فراوانی کو بہت شد و مد کے ساتھ دیر تک بیان کرتا رہا، میں اس کے بوسیدہ لباس اور خستہ حالت پر تعجب کر رہا تھا۔ [illegible] معلوم ہوا

کہ وہ جوڑیا بازار میں کمر پر بوجھ اٹھانے کی مزدوری کرتا ہے، اور ساتھ ہی عرق النسا کا مریض بھی ہے، قناعت اور غناء قلب بہت بڑی دولت ہے۔

ترک گناہ سے دفع پریشانی کی چھٹی وجہ:

جس قلب میں آخرت کی فکر پیدا ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا تعلق قائم ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس قلب کی بصیرت کھول دیتے ہیں، بصیرت کھل جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اشیاء کے حقائق صحیح طور پر نظر آنے لگتے ہیں، وہ بندہ حقیقت شناس بن جاتا ہے، ہر چیز کی جو صحیح حقیقت ہے وہ اس کی نظروں کے سامنے آجاتی ہے، آئینہ کی طرح روشن رہتی ہے، جب حقیقت اس کے دل میں صاف طور پر منور ہو جاتی ہے تو اس کو اس عقیدہ کا استحضار ہو جاتا ہے کہ ہم جن حالات سے بھی گذر رہے ہیں یہ عارضی ہیں، ختم ہو جانے والے ہیں، ان کو بقاء نہیں ہے، یہاں اگر لذتیں اور نعمتیں ہیں تو وہ بھی فانی ہیں، اور اگر خدانخواستہ کوئی تکلیف ہے، فقرو افلاس ہے، کوئی ذہنی پریشانی ہے، کوئی دشمن مسلط ہے، کوئی بھی پریشانی کی بات ہے، تو اس کے سامنے یہ حقیقت ہے کہ یہ گزرگاہ ہے، ہر چیز گذر جانے والی ہے، بس ایک گھڑی کی بات ہے، گذر جائے گی، قصہ ختم ہو جائے گا "گذر گئی گذران کیا جھونپڑی کیا میدان" یہ عقیدہ تحقیق بن کر اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے، اور راسخ ہو جاتا ہے، تو اس کی طبیعت بڑے سے بڑے حوادث سے بھی پریشان نہیں ہوتی، وہ یہی سمجھتا ہے کہ گزرنے والی ہے گزر جائے گی، آپ حضرات نے دیکھا ہوگا بسوں پر جو سوار ہوتے ہیں، پہلے تو گھنٹہ گھنٹہ بھر وہ اسٹاپ پر کھڑے رہتے ہیں، اور جب بس آئی تو ڈنڈا پکڑ کر لٹکتے ہیں، اور لٹکتے کیسے ہیں کہ پاؤں کا صرف ذرا سا انگوٹھا پائدان پر ہے اور لٹکتے ہوئے چلے جا رہے ہیں، یوں لٹکنے کی ہمت کیوں ہو جاتی ہے؟ اس لئے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دو چار منٹ کی بات ہے، لٹک کر گذار لو، کھڑے ہو کر گزار لو یا بیٹھ کر گزار لو، تو یہ استحضار کہ

دو چار منٹ کی بات ہے، لٹک ہی کر گزار لو، اس کے لئے لٹکنا آسان کر دیتا ہے، اگر یہ خیال ہو کہ جو ایک بار لٹک گیا وہ لٹکتا ہی رہے گا تو ایسے میں کوئی بھی لٹک کر سفر کرنے کو تیار نہ ہو گا، سفر میں جہاں کہیں کسی نشست پر دو آدمیوں کا جھگڑا ہوا تو لوگ کیا کہتے ہیں: "ارے! سفر ہے گزارا کر لو، گذر ہی جائے گا" اسی پر قیاس کر لیں کہ جس حد تک آخرت کی فکر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق استوار اور مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے، اسی حد تک اس کی بصیرت کھل جاتی ہے، کہ ساری دنیا عارضی ہے، لٹکنے کی بات ہے لٹک کر گذار لو، یہاں اگر عزت ہے، راحت ہے، مال ہے، ثروت ہے، منصب ہے، جمال ہے، کمال ہے، یا اس کے برعکس فقر ہے، افلاس ہے، مرض ہے، پریشانی ہے، مصیبت ہے، ذلت ہے، کچھ بھی ہے، تو اللہ کا بندہ دونوں حالتوں میں سے جس حالت میں بھی ہو وہ یہی سمجھتا ہے کہ یہاں کی راحت و نعمت پر اتراؤ نہیں، اور تکلیف و مصیبت سے گھبراؤ نہیں، اس لئے کہ یہ ہے ہی دو چار گھڑی کے لئے، گذر جائے گی، قصہ ختم ہو جائے گا۔

دنیا کی حقیقت:

حال دنیارا بپرسیدم من از فرزانہ
گفت یا خوابیست. یا بادیست یا افسانہ
باز گفتم حال آنکس گو کہ دل درو بست
گفت یا دیویست یا غولیست یا دیوانہ

"میں نے ایک دانشور سے دنیا کی حقیقت دریافت کی، اس نے جواب دیا کہ یا خواب ہے یا خیال ہے یا افسانہ ہے، پھر میں نے دنیا سے محبت رکھنے والے کا حال پوچھا تو فرمایا کہ یا دیو ہے یا چڑیل ہے یا دیوانہ ہے۔"

افلاطون مشہور اشراقی گزرا ہے، ارتکاز توجہ یعنی مسمریزم کا مشاق تھا، شہر سے بہت دور پہاڑ کے غار میں رہتا تھا، اس سے ایک بار بادشاہ نے کہا ہم آپ کے لئے شہر ہی میں خلوت اور راحت کا انتظام کردیتے ہیں، افلاطون نے کہا کہ میری سلطنت آپ کی سلطنت سے بھی بہت بڑی ہے، مشاہدہ کرنا چاہیں تو مع فوج کے میری دعوت قبول کیجئے، بادشاہ نے دل لگی کے طور پر دعوت قبول کرلی، افلاطون کی جائے رہائش کے قریب پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران کہ بہت وسیع سڑکیں ہیں، ہر سڑک پر بہت شاندار استقبالیہ دروازہ ہے، ہر دروازہ پر چوبدار سپاہی سلام کر رہا ہے، آگے چل کر شاندار محلات میں اترے، بہت پر تکلف ضیافت کھائی، رات میں ہر فوجی کو الگ کمرے میں ٹھہرایا گیا، اور شب باشی کے لئے ایک حسینہ پیش کی گئی، صبح ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ بھوک کی وجہ سے پیٹ کمر سے لگا ہوا ہے، اور حسینہ کی بجائے بستر پر بغل میں گھاس کا پولا ہے، اور کپڑے نجس ہو رہے ہیں، یہ سب کچھ افلاطون نے خیالی مشق کا کرشمہ دکھایا تھا۔

بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

غرض یہ کہ گناہوں کے چھوڑنے سے جن حضرات کی بصیرت کھل جاتی ہے اور ان کی نظر حقیقت شناس ہو جاتی ہے، ان کو اس چیز کا یقین مستحکم ہو جاتا ہے اور ہمیشہ اس کا استحضار رہتا ہے کہ دنیا مسافر خانہ ہے، اور وطن اصلی آخرت ہے، سفر میں فکر راحت کی بجائے وطن میں آفات سے حفاظت اور وہاں کی راحت کی فکر چاہئے، یہ حضرات نہ مال و دولت کی کمی سے گھبراتے ہیں، اور نہ ہی اہل دنیا کی نظر میں بے عزتی سے پریشان ہوتے ہیں، اس لئے کہ مال و عزت وہ معتبر ہے جو وطن میں ہو، اسی طرح اصل عزت وہ ہے جو مالک کی نظر میں ہو۔

صحیح بخاری میں ایک بچے کا قصہ ہے جس نے ایسے ظالم نوجوان جیسا بننے سے پناہ مانگی تھی جو اہل دنیا کی نظر میں معزز تھا مگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں ذلیل تھا، اور اس مظلوم

عورت جیسا بننے کی دعاء کی تھی جو اہل دنیا کی نظر میں ذلیل تھی مگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں معزز تھی، اسی طرح حضرت جُعیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ بھی بتا چکا ہوں کہ اہل دنیا کی نظروں میں ان کی کوئی عزت نہ تھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے کتنے بلند مقام کی بشارت فرمائی۔

معیارِ عزت کیا ہے مال یا تقویٰ:

حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نہ مال نہ منصب، شکل وصورت بھی کچھ اچھی نہ تھی مدینہ منورہ کے نواح میں گاؤں میں رہتے تھے، وہاں سے سبزی لاکر مدینہ منورہ میں بیچا کرتے تھے ایک بار حسب معمول مدینہ منورہ کی گلی میں بیٹھے سبزی فروخت کررہے تھے، پیچھے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دبے پاؤں تشریف لائے، اور ان کو اس طرح بغل میں لے لیا کہ پہچانیں نہیں، کچھ دیر کے بعد حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم ہوگیا، کہ اس طرح محبت کا مظاہرہ فرمانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو آپ نے اپنی پشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کے ساتھ پیوست کردی، تاکہ خوب انوار جذب کرلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب علم ہوا کہ انہوں نے مجھے پہچان لیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ محبت مزاح کے طور پر فرمایا: من یشتری ھذا العبد۔ "اس غلام کو کون خریدے گا؟" انہوں نے عرض کیا: یارسول اللّٰہ اذا واللّٰہ تجدنی کاسدا۔ "یارسول اللہ! ایسا ہوا تو واللہ آپ مجھے بے قیمت پائیں گے" یعنی آپ مجھے بیچ رہے ہیں مگر میرے پاس نہ مال ہے نہ کوئی کمال اور نہ جمال، اس لئے آپ کو میری کوئی قیمت نہیں ملے گی، اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انت عند اللّٰہ غال۔ "تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت قیمتی ہے" اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دربار میں عزت سے نوازیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: من یشتری ھذا العبد۔ کے ظاہری معنی

تو یہ ہیں کہ "اس غلام کو کون خریدے گا" مگر درحقیقت یہاں العبد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد "عبد اللہ" ہے یعنی "اللہ کا بندہ" اور اسے خریدنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ سے محبت پیدا کرنے کے لئے اسے اختیار کرے۔ اس لئے اس مزاح میں کوئی بات خلاف واقع نہیں۔

ترک گناہ سے دفع پریشانی کی ساتویں وجہ:

جس حد تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے اسی حد تک آخرت و جنت کی طلب اور تڑپ بڑھتی جاتی ہے، وہ یوں سمجھتا ہے کہ بس اب پہنچے، اب پہنچے۔ بس ابھی تھوڑی دیر میں اپنے مالک حقیقی کے پاس پہنچے، آج کا مسلمان تو موت کی بات سن کر بہت گھبراتا ہے، وجہ یہ ہے کہ اس نے وطن آخرت کے لئے کچھ کیا ہی نہیں، اس لئے گھبراتا ہے، اگر وطن کے لئے کچھ بنایا ہوتا، وہاں کے لئے کچھ کیا ہوتا تو گھبرانے کی بجائے وہاں پہنچنے کا شوق ہوتا، گناہوں کو چھوڑنے، توبہ و استغفار کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کر لینے کی وجہ سے شوق وطن آخرت غالب آجاتا ہے، غلبہ شوق میں وہ یہ سمجھتا ہے کہ بس تھوڑی سی دیر ہے، بس ابھی پہنچے وطن میں، اب پہنچے جنت میں، اب زیارت ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، اب زیارت ہوئی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی، اب زیارت ہوئی اپنے اکابر اور بزرگوں کی، اب دیدار ہوا اللہ تبارک و تعالیٰ کا، اور جنت میں یہ نعمت، یہ نعمت، بس نعمتیں ہی نعمتیں، اس انتظار میں، اس شوق میں بس اس کا دل ہر وقت بھرا ہی رہتا ہے، جس کی وجہ سے دنیا کی کوئی تکلیف اسے محسوس ہی نہیں ہوتی، بلکہ اس کو دنیا ہی میں جنت کا مزا آنے لگتا ہے۔

میں رہتا ہوں دن رات جنت میں گویا
مرے باغ میں دل کی وہ گل کاریاں ہیں

میں گو کہنے کو اے ہمدم اسی دنیا میں ہوں لیکن
جہاں رہتا ہوں میں وہ اور ہی ہے سرزمیں میری

رفع تکالیف کا نسخہ:

حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ تعالیٰ کہیں جارہی تھیں، ٹھوکر لگی، پاؤں کے انگوٹھے پر زخم آیا، خون نکل پڑا، اسے دیکھ کر ہنسنے لگیں کسی نے دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے؟ زخم آیا، تکلیف ہو رہی ہے، رونا چاہئے تھا، آپ ہنس رہی ہیں، تو فرمایا کہ اس پر آخرت میں جو اجر لکھا گیا ہے اس پر جب میری نظر گئی تو اسی کی مسرت سے مجھے ہنسی آرہی ہے، ہاں! تو مستقبل میں جو نعمتیں ملنے والی ہیں ان کا جتنا استحضار زیادہ ہوگا اسی حد تک انسان کو تکلیف محسوس نہیں ہوگی بلکہ اس کا قلب تو مسرتوں سے بھرا رہے گا، دنیا کی مثالوں سے سمجھ لیجئے، اگر کسی کی شادی کی تاریخ مقرر کر دی جائے اور تاریخ بھی کافی دور ہو، چھ ماہ یا ایک سال بعد کی تو والدین تو شادی کی تیاری میں ایک سال تک گھلتے رہیں گے مگر جس کی تاریخ رکھی گئی ہے وہ تو مسرت کی گھڑیوں کا انتظار ہی کرتا رہے گا کہ اب تاریخ قریب آئی، اب بارات کی گھڑی آئی، راتوں کو اسے نیند نہیں آرہی، حالانکہ اللہ جانے وہ گھڑی آئے گی بھی یا نہیں، اس وقت تک ہو سکتا ہے کہ یہ دوسرے عالم میں منتقل ہو جائے، کوئی یقینی شے نہیں، محض ایک متوقع چیز ہے، شاید آجائے، اس میں اتنی مسرت کہ رات دن اسی خیال میں رہتا ہے، جو مسرت کی گھڑی آنے والی ہے اس کی توقع میں انسان کتنا خوش رہتا ہے، ایک طالب علم محنت کرتا ہے اس امید پر کہ محنت کر کے فلاں ڈگری حاصل کریں گے، اس کے بعد فلاں مقام ملے گا، فلاں عہدہ ملے گا، یہ منصب ملے گا، یہ اقتدار ملے گا، اس کے ذہن میں جو تمنائیں ہیں وہ اس کے دل کو خوش رکھتی ہیں، آمادہ اور تیار رکھتی ہیں، تمام محنتیں اس پر اس کی وجہ سے آسان ہو جاتی ہیں، سیاسی لوگ کتنے ہی بوڑھے ہو جائیں مگر جب ان پر دورہ پڑتا ہے، فلاں جگہ

کا، ورہ فلاں جگہ کا دورہ، دورے پر دورہ نہ تھکیں نہ سوئیں، نہ کوئی چیز ان کو غفلت میں ڈالے، یہ آخر کیوں ہوتا ہے؟ کس چیز نے ان کو برانگیختہ اور باہمت کر رکھا ہے؟ کونسی چیز ان کے قلب میں ہے؟ جو نہ غفلت، نہ سستی، نہ کوتاہی، نہ تھکن، کوئی چیز ان کے اندر پیدا نہیں ہونے دیتی، بس یہ توقع کہ اب صدر بنے، اب وزیر بنے، انہیں چاق وچوبند بنائے رکھتی ہے حالانکہ لاکھوں کروڑوں انسان اسی دنیا کی ہوس میں قبروں کے اندر پہنچ گئے بنا ونا کچھ نہیں مگر محض توقع پر اتنی ہمت بلند ہوجاتی ہے، قلب میں اتنی مسرت پیدا ہوجاتی ہے کہ دل بھرا رہتا ہے، کوئی پریشانی ان کے قریب نہیں پھٹکتی، ایک کسان گرمی میں، سردی میں ہر وقت محنت کرتا ہے، ایک مزدور گرمی میں پسینہ پسینہ ہوجاتا ہے اور ساری تکلیفیں برداشت کرتا ہے، محنت کرتا ہے، یہ محنتیں، یہ تکلیفیں اس کے لئے کیوں آسان ہوجاتی ہیں؟ اس لئے کہ اسے امید ہے کہ اس پر مزدوری ملے گی، فصل بونے کے بعد اناج ملے گا، اس توقع میں ان کی ساری تکلیفیں کافور ہوجاتی ہیں، اب آپ اندازہ لگائیں کہ جب محض توقعات پر دل میں سرور پیدا ہوتا ہے، ہمت بلند ہوتی ہے، تو جہاں یقین ہو وہاں کیا ہوگا؟ دنیا میں محض توقعات ہیں کہ ایسا ہوجائے گا، ایسا ہوجائے گا، ہوسکتا ہے کہ یہ صرف شیخ چلی جیسی توقعات ہوں، اور ہو کچھ بھی نہیں، مگر جہاں یقین ہے:

﴿ومن اصدق اللّٰہ قیلا﴾ (۴-۱۲۲)

"اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کون ہوسکتا ہے؟۔"

اس کے وعدہ میں ذرا برابر شبہہ نہیں ہوسکتا، بالکل یقینی وعدہ ہے۔

دنیا میں جنت حاصل کرنے کا نسخہ:

جتنا اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل بڑھتا چلا جائے گا اسی حد تک جنت کی نعمتوں کا استحضار اور ان کی طلب، وہاں کی تڑپ، وہاں کا شوق اس کے دل کو بھرے رکھتا ہے،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل مسرت سے بھرا ہوا ہے، جو آن آنے والی ہے وہ اس کو ابھی سے نظر آرہی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ابھی سے وہاں پہنچا ہوا ہے ؎

اگرچہ دور افتادم بدین امدی خرسندم
کہ شاید دست من بار دگر جانان من گیرد

"اگرچہ میں ابھی دور ہوں مگر یہ امید جو یقین کی صورت میں ہے، وہ مجھے خوش کر رہی ہے، میرے دل میں یہ مسرت بھری ہوئی ہے کہ بس ابھی پہنچنے ہی والا ہوں۔"

یہ کیفیت کیسے حاصل ہوتی ہے، ترک معصیت سے، گناہوں کو چھوڑنے سے اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل میں ترقی ہوتی ہے، اور دل رنج و غم سے خالی ہو جاتا ہے، جس قلب میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شوق بھرا ہو، جنت کی نعمتوں کا استحضار اور شوق ہو، وطن کا شوق ہو، ہر وقت اسی لگن میں لگا رہے تو خود انصاف سے سوچئے کیا کوئی پریشانی اس کے دل کے قریب بھی آسکتی ہے، اسے تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ پریشانی کا مزا کیسا ہوتا ہے؟ صحیح کہتا ہوں، واللہ کہتا ہوں، جس کے قلب نے اللہ تعالیٰ کی محبت کی چاشنی کو چکھ لیا، وہ سمجھ بھی نہیں سکتا کہ پریشانی کی حقیقت کیا ہے، لوگ کہتے ہیں پریشانی پریشانی. لیکن اسے تو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ پریشانی کیا چیز ہے، کیسی ہوتی ہے، اس کا مزا کیسا ہوتا ہے، اس کو تو صرف ایک اپنی ہی لگی ہوتی ہے، چاہے پریشانی کی حالت ہو یا مسرت کی. اسے تو کچھ فرق ہی نہیں معلوم ہوتا ہر حال میں اسے وہی لذت وہی حلاوت محسوس ہوتی ہے، اور اسی کی امید میں وہ ہر وقت سرشار اور خوش رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسی لئے یہی نسخہ بیان فرمایا ہے:

﴿وبشر الصبرین ○ الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا للہ وانا الیه راجعون﴾ (۲-۱۵۵،۱۵۶)

"اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کی ملکیت ہیں، اور ہم سب اللہ ہی کے پاس جانے والے ہیں۔"

ہم اللہ تعالیٰ ہی کے بندے ہیں تو مالک اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے، اور یوں کہتے ہیں کہ ہم ابھی اپنے مالک کے پاس پہنچنے ہی والے ہیں، بس وہاں پہنچے اور جیسے ہی محبوب کا دیدار ہوا تو جو کچھ بھی مصیبتیں دنیا میں پہنچی تھیں، سارے کا سارا قصہ ہی ختم ہو جائے گا، محبوب سے ملاقات کی اتنی مسرت اور وہ تڑپ رہتی ہے کہ وہاں پہنچے اور سارا قصہ ہی ختم۔

موت کی لذت:

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے وقت آپ کے گھر والوں نے کہا: واحرباہ۔ "ہائے ہم لٹ گئے۔" آپ نے یہ سن کر آنکھیں کھولیں، اور نعرہ مستانہ لگایا: واطرباہ غدا القی محمدا و صحبہ۔ "ارے واہ! کتنی بڑی مسرت، کتنی بڑی لذت، یہ لذت کس چیز کی ہے؟ ابھی میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملا، ابھی اپنے دوستوں سے ملا" دوستوں کی ملاقات کے استحضار نے ایسی سخت تکلیف کو خوشی سے بدل دیا، جن کو جنت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کا استحضار رہتا ہے ان کو پریشانی کیسے ہو سکتی ہے؟

ترک گناہ سے دفع پریشانی کی آٹھویں وجہ:

قاعدہ یہ ہے کہ انسان کو جس کے ساتھ محبت ہوا کرتی ہے اس کے پاس بیٹھنے سے س کو سکون ملتا ہے، اور سرچشمہ محبت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، دنیا بھر کی محبتیں ان کی محبت کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتیں، اس لئے جو شخص گناہوں کو چھوڑتا ہے، اللہ

تعالیٰ کی طرف مائل رہتا ہے، جیسے ہی گناہوں کو چھوڑا ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ گیا، آپ لوگوں نے یہ بات تو سنی ہوگی: "فلاں صاحب پہنچے ہوئے ہیں" اس کا کیا مطلب؟ کہاں پہنچا ہوا ہے؟ اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچا ہوا ہے، جس شخص کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچا ہوا ہوتا ہے، تو جو اپنے محبوب کی بغل میں بیٹھا ہوا ہو اس کو کتنی مسرت ہوگی اور اس کے قلب میں کتنا سکون ہوگا؟ محبوب بھی وہ جس کی محبت کے سامنے دنیا کی تمام تر محبتیں ہیچ ہیں، رابعہ بصریہ رحمہا اللہ تعالیٰ کے اشعار ہیں۔

انی جعلتک فی الفؤاد انیسی
وابحت جسمی لمن یکون جلیسی
فالجسم منی للجلیس مؤانس
وحبیب قلبی فی الفؤاد انیسی

"اے میرے محبوب! میرا جسم تو لوگوں کے ساتھ ہے اور ان کو میرے جسم سے انس ہے، مگر میرے دل کا انیس صرف تو ہی ہے۔"

سکون حاصل کرنے کا نسخہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے محبت کے سو درجے کر کے ان میں سے ایک حصہ پوری دنیا میں پھیلا دیا، اور ۹۹ حصے اپنے پاس رکھے، فرمایا کہ محبت کا سواں حصہ جو پوری دنیا میں تقسیم فرمایا ہے اس کا اثر یہ ہے کہ گھوڑی کا بچہ جب دودھ پینے آتا ہے تو گھوڑی بچہ کی محبت میں اس طرف کا پاؤں پیچھے ہٹا لیتی ہے تاکہ بچہ کو دودھ پینے میں سہولت ہو، یہ سو میں سے ایک کی نسبت صرف سمجھانے کے لئے ہے، اصل مقصد تکثیر ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی صفات تو غیر محدود ہیں، اور دنیا بھر کی تمام صفات کو اگر ملا لیا جائے تو بھی محدود ہیں، اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کے مقابلہ میں لاکھ

سے ایک یا کروڑ سے ایک کہنا بھی صحیح نہیں، جہاں محبوب حقیقی موجود ہو جو اصل سرچشمہ محبت ہے وہاں جو شخص پہنچ جاتا ہے اور ان کو راضی کرلیتا ہے، ظاہر میں اس کے ساتھ کتنی ہی پریشانیاں ہوں، مگر اس کا قلب مطمئن رہتا ہے، میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ جو شخص کسی ایک ادنیٰ سے ادنیٰ گناہ میں بھی مبتلا ہوگا اس کو سکون قلب کبھی میسر نہیں ہوسکتا، اگر کوئی اس کے خلاف دعویٰ کرتا ہے تو اسے میرے پاس لے آئیں، میں دو منٹ میں خود اسی سے اقرار کرادوں گا کہ ہاں اسے سکون حاصل نہیں، اور آپ ذرا خود بھی تجربہ کریں، دنیا میں چل پھر کر دیکھیں، جو شخص کسی گناہ میں مبتلا ہو، بہت سے گناہ، نہیں صرف ایک ہی گناہ میں مبتلا ہو وہ کتنا ہی بڑا مالدار ہو، بہت دولت اور ثروت ہو، کتنا بڑا حاکم ہو، آگے پیچھے نوکر چاکر ہوں، مگر ذرا ایک دو روز اس کے پاس رہ کر دیکھیں، اللہ کرے کہ آپ کی آنکھوں کو وہ آئینہ مل جائے جس میں اس کے دل کی پریشانی منعکس ہو تو اللہ کی قسم! آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ سکون اس کے قریب بھی نہیں پھٹکا، دنیا بھر کے آرام کے اسباب اس کے گھر میں ہیں، مگر سکون اس کے قریب بھی نہیں، اور دوسرے شخص کو ذرا دیکھئے، لباس پھٹا ہوا ہو، کھانے کو روکھی سوکھی روٹی ملتی ہو، جھگی میں رہتا ہو، دنیا کے اسباب راحت میں سے کچھ بھی اس کے پاس نہ ہو، مگر یہ کہ گناہوں سے بچتا ہے، اپنے مالک کو راضی کررکھا ہے، اس کے پاس بیٹھیں، دو چار روز جا کر دیکھیں، تو آپ کو خود اپنے دل میں سکون محسوس ہوگا، پھر اندازہ لگائیے کہ جس کے پاس بیٹھنے سے آپ کو سکون محسوس ہو رہا ہے خود اس کے قلب میں کتنا سکون ہوگا، ذرا دنیا کا تجربہ کرکے فیصلہ کیجئے، روز روشن کی طرح حقیقت عیاں ہوجائے گی۔

دنیا ہی میں جنت:

جب جنت کا استحضار، اللہ تعالیٰ سے ملنے کا استحضار، ان کے دیدار کی طلب، تڑپ اور شوق غالب آجاتا ہے تو پھر وہ یوں نہیں سمجھتا کہ ملیں گے، وہ تو یوں سمجھتا ہے کہ ہم

گویا جنت میں رہ رہے ہیں، اور یہ دنیا ہی اس کے لئے جنت بن جاتی ہے، وہ یہیں جنت کا مزا پانے لگتا ہے، یا اللہ! ہم سب کو یہ کیفیت عطاء فرمادے، یہ رحمت فرمادے کہ دنیا ہی میں جنت کا مزا آنے لگے۔

میں رہتا ہوں دن رات جنت میں گویا
مرے باغ دل کی وہ گل کاریاں ہیں

یہ شعر پڑھ لیں اور کبھی کبھی پڑھا کریں، یہ گناہوں کو چھوڑنے کا نسخہ ہے، کوئی کتنا ہی فاسق وفاجر ہو اسے بھی یہ شعر پڑھنا چاہیے، اس شعر کو روزانہ ایک دوبار پڑھنے سے کیسے فائدہ ہوگا؟ اس لئے کہ اولاً اہل محبت کی نقل اتارنے کا اثر ہوگا، یہ شعر پڑھنے والا یہ سمجھ رہا ہے کہ میں محبت کے اس مقام پر نہیں ہوں، بہت دور ہوں، مگر اہل محبت کے اقوال کو اپنی زبان پر جاری کرنے، نقل اتارنے سے کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نقل ہی کو اصل بنادیں، اور اسی کو قبول فرمالیں۔

اہل اللہ کی نقل موجب فضل:

ایک بار میں کسی کے یہاں بیٹھا ہوا تھا، انہوں نے میرے سامنے سیب پیش کئے، اور وہیں کچھ نقلی سیب بھی رکھے ہوئے تھے، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ نقلی سیب کی قیمت اصلی سیب سے تقریباً دس گناہ زیادہ ہے، جب دنیا میں مصنوعی چیز کی قیمت بسا اوقات اصلی چیز سے بھی زیادہ ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جن کی ذات بڑی مجید ہے، بڑی ہی مجید ہے، اگر جوش آگیا تو ہوسکتا ہے کہ اس مصنوعی محبت کو وہ مقام عطاء فرمادیں جو حقیقی محبت والوں کو میسر ہے، اہل اللہ کا کلام، ان کی کیفیات، حالات اور ان کے واردات کو اپنی زبان پر جاری کرتا رہے تو شاید اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو جائے، اس نقل ہی کو قبول فرمالیں اور اصل کی توفیق عطاء فرمادیں، دوسری بات یہ کہ جب زبان سے بولے گا، ایسے جملے اپنی زبان سے نکالے گا، ایسے اشعار کا ورد بنالے گا تو کچھ

تو دل میں خیال پیدا ہوگا کہ ارے میاں! کہہ کیا رہے ہو اور تمہارے حالات کیسے ہیں؟ جو کہتے ہو اس کے مطابق عادت کیوں نہیں ڈالتے؟ جب روزانہ کہے گا اور کہتا رہے گا، تو آہستہ آہستہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا اثر یہ ہوگا کہ زبان سے کہی ہوئی بات دل میں اترے گی، اگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تو چلئے دعاء ہی کی نیت سے روزانہ پڑھ لیا کریں، کہ یا اللہ! میرے دل کی یہ کیفیت بنادے جو اس شعر میں بیان کی گئی ہے روزانہ دعاء کرلیا کیجئے، جن لوگوں کو دنیا میں جنت کا مزا آنے لگے اور ہر وقت گویا اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہو رہے ہیں، خود ہی فیصلہ کیجئے ان کی کیفیت کیا ہوگی؟ ان کے قلب میں کتنی بڑی مسرت ہوگی؟ وہاں تو پریشانی کا گذر ہی نہیں ہو سکتا۔

پیر کامل کی پہچان:

حضرت پیر محمد سلونی رحمہ اللہ تعالیٰ عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے وقت میں ایک بزرگ گزرے ہیں عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمت میں خط لکھا کہ مجھے آپ کی زیارت کا شوق ہے، مگر مجھے حاضری سے یہ مجبوری ہے کہ حیدر آباد دکن کی طرف بغاوت ہو رہی ہے میں اسے کچلنے میں مصروف ہوں، ورنہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، اس لئے عرض ہے کہ جب آپ دہلی تشریف لائیں تو مجھے اطلاع ہو جائے میں خود حاضر ہو کر قدم بوسی کروں گا، عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی دینی بصیرت دیکھئے کہ انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں، آپ میرے پاس تشریف لائیں۔

آج کل لوگ یہی کوشش کرتے ہیں کہ پیر صاحب کو گھر میں بلاؤ، اور جیسی روح ویسے ہی فرشتے، پیر صاحب بھی اسی میں خوش ہیں، کہیں سے دعوت آجائے تو بھاگو، پہلے ہی سے منتظر اور تیار بیٹھے ہیں۔

حضرت پیر محمد سلونی رحمہ اللہ تعالیٰ کا جواب سنئے فرمایا:

"شاہا! دین پناہا! این دہقانی را بازم سلطانی چہ کار؟ در کریم باز است، کریم ما بے نیاز است، کریمے دارم کہ چون گرسنہ می شوم مہمانی می کند و چون می خسپم نگہبانی می کند، و چون گنہ می کنم مہربانی می کند، کریم ما بس باقی ہوس۔"

"اس دہقانی کو بزم سلطانی سے کیا کام؟ کریم کا دروازہ کھلا ہے، اور ہمارا کریم بے نیاز ہے، میں ایسا کریم رکھتا ہوں کہ جب میں بھوکا ہوتا ہوں وہ مہمانی کرتا ہے، اور جب میں سوتا ہوں وہ نگہبانی کرتا ہے، اور جب میں گناہ کرتا ہوں وہ مہربانی کرتا ہے، ہمارا کریم کافی ہے، اور اس کے سوا باقی سب ہوس ہے۔"

جس کے قلب میں ہر وقت محبوب کا نظارہ ہو رہا ہو، جس نے وہ مزا پالیا کہ اس کا قلب ہر وقت جلوہ جاناں، اور آئینہ جمال یار بنا ہوا ہے، اس کو بزم سلطانی سے کیا مطلب؟ وہ ایسا کریم اور بے نیاز ہے کہ اپنے بندوں کو بھی دوسروں سے بے نیاز کر دیتا ہے جس نے کریم کا دروازہ پالیا اس کو کسی دوسرے دروازہ کی ضرورت نہیں، یا اللہ! تو اپنے اس مقبول بندہ کے اس مقولہ کو ہمارے دلوں کی کیفیت بنا دے، ایک فقیر بیٹھا ہوا ہے، بادشاہ قدم بوسی کا خواہشمند ہے، مگر اس کے دل میں آخر کونسی چیز بس رہی تھی جس کی بناء پر وہ پوری دنیا اور سلطنت سے بے نیاز ہے ایک اللہ کا تعلق اور اس کا جلوہ سامنے ہو تو پھر دنیا میں اس کو کیا نظر آئے گا؟ کیا خوب شعر ہے ؎

ہمہ شہر پر زخوبان منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ چشم یک بین نکند بکس نگاہے

"دنیا میں کسی کا کوئی محبوب اور کسی کا کوئی محبوب، کوئی کسی چکر میں، کوئی کسی خواہش میں، مگر میری نگاہ جب ایک محبوب پر پڑ گئی اور اس سے تعلق ہو گیا تو پوری دنیا کے محبوب نظر سے گر گئے، میری چشم یک بیں میں

محبوب حقیقی کے سوا دوسرے کی کوئی گنجائش نہیں۔"

یادِ الٰہی کی لذت:

یا اللہ! تو ہم سب کو ایسی چشم یک بیں عطاء فرما۔

یاد میں تیری سب کو بھلادوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹادوں خانۂ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگادوں غم میں ترے دل شاد رہے
اپنی نظر سے سب کو گرادوں تجھ سے فقط فریاد رہے

حضرت پیران پیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قصہ، کو سنجر کے بادشاہ نے پورا صوبہ نیمروز نذرانہ کے طور پیش کیا، آپ نے فرمایا۔

چون چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد
گر دردلم رود ہوس ملک سنجرم
آنگہ کہ یافتم خبراز ملک نیم شب
من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

"جب رات کو اٹھ کر اپنے محبوب کے ساتھ مشغول ہوجانے کی دولت کو پالیا، اور وہ لذت قلب کو مل گئی تو میرے قلب میں صوبہ نیمروز کی قیمت ایک جو کے برابر بھی نہیں رہی۔"

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ایک ہوک سی دل سے اٹھتی ہے ایک درد سا دل میں ہوتا ہے
میں راتوں کو اٹھ کر روتا ہوں جب سارا عالم سوتا ہے

اندازہ لگائیے، وہ کونسی لذت تھی جس کی خاطر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ رات

رات بھر نماز میں کھڑے ہو کر گزارتے تھے، ایک دو راتیں نہیں، سالہا سال کا معمول، روزانہ ایک کلام پاک کا ختم رات میں نوافل میں ہوتا تھا، آخر وہ کونسی لذت تھی؟ کیا دنیا کی کوئی لذت بھی انسان کو ایسا کر سکتی ہے کہ کبھی بھی وہ رات میں نہ سوئے؟ بتایئے؟ ہے دنیا میں کوئی ایسی لذت؟ یہ محبوب کے دیدار کی لذت تھی جس نے ان کو بیدار اور ان کے قلب کو سرشار کر رکھا تھا، عارف شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا:

متی ما تلق من تهوی دع الدنيا واهملها

"جب محبوب کے دربار میں حاضری ہو تو دنیا کو دل سے نکال پھینکو۔"

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک بزرگ کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

بسودائے جانان زجان مشتغل
بذکر حبیب از جہان مشتغل
بیاد حق از خلق بگریختہ
چنان مست ساقی کہ مے ریختہ

ذکر محبوب میں ایسے محو اور ایسے مست کہ خود اپنا ہی ہوش نہیں، جس کو اپنی جان کا ہوش نہ ہو اس کو جہان کا ہوش کہاں سے ہوگا؟ وہ محبوب کی طرف ایسے متوجہ اور دیدار میں ایسے مست کہ محبوب کی عطایا سے نظر اٹھ گئی، احسانات کی وجہ سے نہیں بلکہ محسن کی ذات سے محبت ہے، عاشق ذاتی بن گئے، اور محبوب کی ذات کے ساتھ ایسا عشق کہ اپنا بھی ہوش نہیں رہا۔

محرم این ہوش جز بے ہوش نیست
مرزبان را مشتری جز گوش نیست

از حال خود آگہ نیم جزایں قدر دانم کہ تو
ہرگہ بخاطر بگذری اشکم زداماں بگزرد

بس ایک بجلی سی پہلے کوندی پھر آگے کوئی خبر نہیں ہے
مگر جو پہلو کو دیکھتا ہوں تو دل نہیں ہے جگر نہیں ہے

اے عشق مبارک تجھ کو ہو اب ہوش اڑائے جاتے ہیں
جو ہوش کے پردے میں تھے نہاں وہ سامنے آئے جاتے ہیں

جب اس طرح چوٹ پہ چوٹ پڑے ویرانیٔ دل کیوں کر نہ بڑھے
اٹھ اٹھ کر پچھلی راتوں میں کچھ تیر لگائے جاتے ہیں

دل پر لا الہ الا اللہ کی ضرب لگانے سے یہ دولت حاصل ہوتی ہے

حضرت جامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔

حقا کہ در جان نگار و چشم بیدارم توئی
ہرچہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

’’اے میرے محبوب! میری جان میں بھی تو ہی بسا ہوا ہے اور میری آنکھ میں بھی تو ہی بسا ہوا ہے، اور اتنا بسا اتنا بسا کہ جس چیز پر بھی نظر پڑتی ہے اس میں تیرا ہی جلوہ نظر آتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ بس تو ہی ہے۔‘‘

ایک خشک مولوی پاس بیٹھا تھا، کہنے لگا کہ ’’گر خر پیدا شود‘‘ یعنی اگر گدھا نظر آئے تو اس کو بھی اللہ سمجھو گے؟ حضرت جامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جلدی سے مولوی کے

کندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا "پندارم توئی" میں سمجھوں گا کہ وہ تو ہے، جس میں ہمارا کلام سمجھنے کی صلاحیت نہ ہو، اگرچہ مولوی بن گیا مگر گدھا ہی تو ہے۔

ایک بزرگ جا رہے تھے، بچے انہیں تنگ کر رہے تھے، پتھر مار رہے تھے، دیوانہ، پاگل کہہ رہے تھے، کوئی شخص گزرا اور بچوں سے کہا، ان کو کیوں تنگ کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا، یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کو دیکھتا ہوں، ان صاحب نے پوچھا کہ بچے کہتے ہیں کہ تم اللہ کو دیکھتے ہو، تو انہوں نے یہ شعر پڑھا ۔

خیالک فی عینی وذکرک فی فمی
ومثواک فی قلبی فاین تغیب

اے میرے محبوب! تو میری آنکھوں میں بسا ہوا ہے اور تیرا ذکر ہر وقت میری زبان پر ہے، اور تو میرے دل میں اترا ہوا ہے، تو تو مجھ سے غائب کیسے ہو سکتا ہے۔"

جب ہر وقت اس کا خیال رہے، ہر وقت اس کا ذکر رہے، ہر وقت اس کا نقشہ سامنے رہے تو محبوب غائب کیسے ہوگا؟ پھر فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر ایک آن کے لئے بھی میرا محبوب غائب ہو جائے تو میں زندہ نہیں رہ سکتا ۔

دم رکا سمجھو اگر دم بھر بھی یہ ساغر رکا
میرا دور زندگی ہے یہ جو دور جام ہے

حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ماہی ہیں، جیسے مچھلی بغیر پانی کے زندہ نہیں رہ سکتی یہ بغیر ذکر محبوب کے زندہ نہیں رہ سکتے فرمایا ۔

گرچہ در خشکی ہزاران رنگہاست
ماہیان را بایبوست جنگہاست

اہل اللہ کی مثالیں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک مثال سے بڑے گہرے مسائل حل کر دیتے ہیں، آپ مچھلی کو پکڑ لیجئے، اور اس کو سمجھائیے کہ دیکھو یہاں تاج محل ہے اور

شیش محل ہے، یہ باغیچہ ہے، اسے ہر قسم کے نقش و نگار دکھایئے، طرح طرح کے محلات دکھایئے، حسین سے حسین صورتیں دکھایئے، مگر وہ کہے گی، تمہیں اللہ کا واسطہ مجھے پانی میں چھوڑ دو، مجھے کسی رنگینی کی ضرورت نہیں، اگر اس کو آپ نے پانی میں نہیں چھوڑا تو تڑپ تڑپ کر جان دے دے گی، خشکی میں گرچہ ہزاروں رنگینیاں ہیں مگر مچھلی کا عشق وحدت کیا کہتا ہے؟ وہ بغیر پانی کے کہاں زندہ رہ سکتی ہے؟ اسے کسی رنگینی کی ضرورت نہیں، اسے تو صرف پانی ہی چاہئے ۔

دم رکا سمجھو اگر دم بھر بھی یہ ساغر رکا
میرا دور زندگی ہے یہ جو دور جام ہے

یا اللہ! ہم سب کو یہ کیفیت عطاء فرما، یا اللہ! تیرے مقبول بندوں کی یہ باتیں زبان پر جاری ہو رہی ہیں اور کانوں میں پڑ رہی ہیں، انہیں زبان اور کانوں کی نالیوں کی ذریعہ دل کی گہرائیوں میں اتار دے، یا اللہ! اس ذکر کی بدولت اپنی محبت سے ہمارے قلوب کو سرشار کر دے، جس کو یہ لذت حاصل ہو جاتی ہے وہ یوں سمجھتا ہے کہ میں جنت ہی میں بس رہا ہوں، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔

دلی دارم جواہر خانۂ عشقست تحویلش
کہ دارد زیر گردون میر سامانیکہ من دارم

جو دل آئینہ جمال یار بن جائے وہ دنیا کو مقابلہ کا یوں چیلنج کرتا ہے:

"کوئی ہے ایسا دل جیسا کہ میرا ہے جس میں محبوب کی حقیقی کی ذات بسی ہوئی ہے اور اس کی محبت رچی ہوئی ہے۔"

میری آنکھوں میں آجا میرے دل میں سما جا

یہ لوگ جو اس لذت کو پائے ہوئے ہیں، ان کے سامنے دنیا کی لذتوں کی کیا حقیقت ہے؟ وہ اسی لذت میں مست رہتے ہیں ۔

تری نگاہ کے مجروح اور بھی ہیں کئی
کسی کے دل میں رہی اور کسی کے پار گئی
مگر مجھ سے ہی کی تو نے ترک بات نئی
درون سینہ من زخم بے نشان زدئی
بحیرتم کہ عجب تیر بے کمان زدئی

محبت غالب کس کی ہے؟ بندے کی یا اللہ کی؟

ایک بزرگ نے ایک باندی دیکھی، جو بہت ہی لاغر اور مریل تھی، جیسے ٹی بی کی مریضہ ہو، ان کو خیال ہوا کہ شاید اس کا مالک اس سے کام زیادہ لیتا ہے، اور دواء وغذاء کی صحیح دیکھ بھال نہیں کرتا، اس لئے انہوں نے اس پر رحم کھا کر اس کو خرید لیا، عشاء کے بعد یہ باندی نفلوں میں کھڑی ہوگئی، بہت دیر تک نوافل پڑھتی رہی، اس کے بعد دعاء میں یوں کہنے لگی کہ یا اللہ! تجھے میرے ساتھ جو محبت ہے اس کے صدقہ سے دعاء کرتی ہوں، یہ بزرگ بولے کہ بی! ایسے مت کہو، یہ خلاف ادب ہے، اس کی بجائے یوں کہو یا اللہ! مجھے جو تیرے ساتھ محبت ہے اس کے صدقہ سے دعاء کرتی ہوں، اس پر باندی نے کہا کہ میرے اللہ کو اگر میرے ساتھ محبت نہ ہوتی تو وہ یہ معاملہ نہ فرماتے کہ تجھے تو بستر پر سلا رکھا ہے اور مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا ہوا ہے، اس کے بعد یہ اشعار پڑھے۔

الکرب مجتمع والصبر مفترق
والقلب محترق والدمع مستبق
کیف القرار علی من لا قرار له
مما جناه الهوی والشوق والقلق

یارب ان کان شیء فیہ لی فرج
فامنن علی بہ مادام بی رمق

اس کے بعد کہا یا اللہ! تو جانتا ہے کہ میری یہ حالت تیرے سوا کوئی نہیں جانتا تھا، آج یہ راز ظاہر ہوگیا، اس لئے اب مجھے دنیا سے اٹھالے، یہ کہہ کر وہیں جان دے دی۔

توفیق عمل اللہ کا فضل:

یا اللہ! اہل محبت کے اس ذکر کو ہم سب کے لئے نافع بنادے، جو باتیں زبان سے نکلیں، کانوں تک پہنچیں، انہیں ان نالیوں کے ذریعہ قلوب تک پہنچادے یا اللہ! بات کو مؤثر بنانا، عمل کی توفیق عطاء فرمانا، سب صرف تیرے ہی قبضہ قدرت میں ہے لاحول ولا قوۃ الا بک، یا اللہ! سوائے تیری دستگیری کے کچھ نہیں ہوسکتا، تو ہماری دستگیری فرما ہمت افزائی فرما، ہم کمزور ہیں، ضعیف ہیں، یا اللہ! جب تک تیری مدد نہیں ہوگی کچھ نہیں ہوسکتا، یا اللہ! گناہوں کو چھوڑنے اور اپنی اطاعت کی توفیق عطاء فرما۔

ترک گناہ کی ہمت پیدا کرنے کا نسخہ:

دیکھئے! ابھی ابھی اللہ تعالیٰ نے ایک نسخہ دل میں ڈالا ہے، وہ یہ کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم یہ گناہ نہیں چھوڑ سکتے، مثال کے طور پر ڈاڑھی منڈانا یا کٹانا، دیور، جیٹھ، نندوئی، بہنوئی اور چچازاد، اور ماموں زاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد وغیرہ سے پردہ کرنا جن کے بارے میں عورتوں کو یہ خیال ہے کہ وہ ان سے پردہ نہیں کرسکتیں یا یہ کہ ان سے پردہ کرنا ممکن نہیں، اسی طرح سے ٹی وی دیکھنا، تصویریں رکھنا، گانا سننا وغیرہ وغیرہ سب کے چھوڑنے کا نسخہ یہ ہے کہ ایک وقت متعین کرلیں، وقت متعین ضرور کرلیں، اس لئے کہ اگر کوئی وقت متعین نہیں کیا تو نفس اور شیطان یہ دھوکہ دے گا کہ ابھی تھوڑی دیر

کے بعد کر لینا، اور جب لگ گئے دنیا کے دھندوں میں تو قصہ ہی ختم ہو جائے گا اس لئے کوئی وقت متعین کریں، فجر کی نماز کے بعد کر لیں، فجر کی نماز سے جیسے ہی فارغ ہوں تین بار یہ پڑھ لیں: لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ یا اللہ! وہ گناہ جو معاشرہ میں داخل ہو گئے ہیں ہم ان سے بچ نہیں پاتے، ہم اپنے کو کمزور سمجھتے ہیں، ماحول اور معاشرہ کو غالب پاتے ہیں، یا اللہ! ان سے بچنا سوائے تیری دستگیری کے نہیں ہو سکتا، تو ہی دستگیری فرما تجھ ہی سے فریاد کر رہا ہوں، تین بار کہہ لیا کریں، بات پھر وہی آئے گی کہ یہ نسخہ پئے کون؟ حلق سے اترنا بہت مشکل، آپ پہلی بار جب فجر کی نماز کے بعد یہ پڑھنے بیٹھیں گے تو آپ کا نفس کہے گا کہ جب یہ گناہ چھوڑنا ہی نہیں ہے تو پھر یہ نسخہ استعمال کرنے سے کیا فائدہ؟ مجھے معلوم ہے کہ اولاً تو یہ بتایا ہوا نسخہ یاد ہی نہ آئے گا، اور اگر یہ پڑھنے بیٹھ بھی گئے تو جب یہ کہیں گے کہ یا اللہ! میرے گھر میں صحیح طور پر شرعی پردہ ہو جائے، اور جو جو گناہ معاشرہ میں داخل ہو گئے ہیں وہ سب چھوٹ جائیں، تو اس وقت آپ کا نفس آپ سے یہ کہے گا کہ ارے کیوں خواہ مخواہ خود کو دھوکہ دے رہا ہے، گناہ چھوڑنا تو تجھے ہے نہیں، تو یہ باتیں کیوں کہہ رہا ہے؟ اس وقت نفس کو یہ جواب دیجئے کہ گناہ خواہ چھوٹے یا نہ چھوٹے ہم تو ضرور کہیں گے، یہ کہنے میں کیا نقصان ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائیں اللہ تعالیٰ امت عطاء فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لا حول ولا قوۃ الا باللہ کنز من کنوز الجنۃ﴾ (مسند احمد)

"لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ جنت کے خزانوں میں سے بہت بڑا خزانہ ہے۔"

یوں نہ سمجھ لیں کہ ایک دفعہ پڑھ لیا اور بہت بڑا خزانہ مل گیا، خزانہ یوں نہیں ملے گا، اگر صرف ایک بار یہ پڑھنے سے خزانہ مل جائے تو پھر سوچئے کہ سارا دین تو بیکار ہی گیا، یہ خزانہ یوں نہیں ملا کرتا، یہ یوں ملتا ہے کہ نسخہ کے طور پر اس کو استعمال کیجئے،

اور یہ جب ہوگا کہ اس کا مطلب اور مفہوم سمجھئے اور پھر اس کو ذہن میں حاضر کرکے نسخہ کے طور پڑھئے۔ یہ دو طریقے سے نسخہ بنتا ہے، ایک تو یہ کہ جن گناہوں کو چھوڑنے کی ہمت نہیں ہوتی اپنا عجز، اپنی کمزوری، اپنا ضعف، اپنے مالک کے سامنے پیش کرکے کہئے: لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ۔ یا اللہ! ہم تیری دستگیری کے طالب ہیں جب تک تیری دستگیری نہیں ہوگی ہم نہیں چل سکتے، دوسرا طریقہ یہ کہ جب گناہ چھوٹ جائیں یا جن کے چھوٹے ہوئے ہیں وہ کہیں: لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ۔ یا اللہ! یہ جو گناہ چھوٹ گئے ہیں اس میں میرا کوئی کمال نہیں، تیری ہی دستگیری کا نتیجہ ہے، اگر اس کا مطلب سمجھ کر اور اس کا مفہوم ذہن نشین کرکے یہ نسخہ استعمال کیا تو جنت کے خزانے ملیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یا اللہ! یہ نسخہ استعمال کرنے کی توفیق عطاء فرما، یا اللہ! اس کی بدولت جنت کے خزانے عطاء فرما، یا اللہ! جن لوگوں نے جن گناہوں کے بارے میں یہ طے کر رکھا ہے کہ نہیں چھوڑیں گے ان گناہوں کے بارے ان کے قلوب کی کیفیت بدل دے، عزم و ہمت عطاء فرما، فکر عطاء فرما، بلند ارادہ عطاء فرما، دلوں میں آج سے ہر گناہ چھوڑنے کا عزم عطاء فرما، تو ہی توفیق عطاء فرما، ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ۔

اب اللہ تعالیٰ کے چند مقبول بندوں کے کچھ واقعات بتاتا ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے تقویٰ کی بدولت مشکلات سے نجات عطاء فرمائی:

① حضرت نوح علیہ السلام:

حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ فرماتے رہے، مگر چند لوگوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا، بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ سنا دیا گیا کہ ان سب کو غرق کر دیا جائے گا، مگر آپ اور جو تھوڑے سے لوگ ایمان لائے ہیں بچا لئے جائیں گے، یہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھئے، اگر ایسا طوفان آتا جس میں مؤمنین بھی غرق

ہو جاتے تو کوئی عجیب بات نہ تھی، دنیا سے سب کو رخصت ہونا ہی ہے، بعد میں بھی حضرت نوح علیہ السلام کا انتقال ہوا، دوسرے اہل ایمان بھی رخصت ہو گئے، کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ بوقت عذاب اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندے بھی ساتھ ساتھ ہی رخصت ہو جاتے ہیں، مگر یہ معاملہ فاسق و فاجر لوگوں کے حق میں عذاب اور نیک لوگوں کے حق میں رحمت ہوتا ہے، اس سے ان کے درجات بلند ہوئے اور مرنے کے بعد سیدھے جنت میں جا پہنچے اور محبوب حقیقی سے جا ملے۔

﴿الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب﴾

"موت پل ہے جو دوست کو دوست تک پہنچاتا ہے۔"

مگر حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت دنیا میں باقی رکھا گو بعد میں رخصت ہو گئے، اہل دنیا کو یہ دکھانے کے لئے کہ ان کا ہم سے خصوصی محبت کا تعلق ہے، اس لئے دنیا میں بھی ہم انہیں مجرمین سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔

② حضرت ابراہیم علیہ السلام:

خود بوڑھے ہیں، بیوی بانجھ ہے، بشارت مل رہی ہے کہ لڑکا پیدا ہو گا، تعجب ہوا کہ کیسے ہو گا؟ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ بس ہم قادر مطلق ہیں یونہی ہو جائے گا، بلا سبب ظاہری اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطاء فرما دیا۔

کار ساز ما بساز کار ما
فکر ما در کار ما آزار ما

اسباب پر نظر رکھنے والے ہمیشہ پریشان رہتے ہیں، جب کوئی سبب نظر نہیں آتا پریشان ہو جاتے ہیں، کہ کوئی سبب تو ہے نہیں، کام کیسے ہو گا؟ اور اگر کوئی سبب نظر آیا

اور اس سے کام نہ بنا تو اور زیادہ پریشانی کہ یہی ایک سبب تھا، اس سے بھی کام نہ بنا، اسباب حاصل کرنے کی فکر کی اور پریشانی، پھر ہزاروں اسباب اختیار کرنے کے باوجود ناکامی پر مزید پریشان ہوتا ہے، اور جس کی نظر اسباب کی بجائے مسبب۔یعنی اسباب پیدا کرنے والے پر ہو وہ کبھی پریشان نہیں ہوتا ۔

عقل در اسباب می دارد نظر
عشق می گوید مسبب رانگر

عقل کی نظر اسباب پر رہتی ہے کہ فلاں جگہ سے کام بنے گا، دروازوں پر دھکے کھاتا پھر رہا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق و محبت کا تعلق ہو تو وہ عشق کہتا ہے کہ مسبب کو دیکھو اسباب پیدا کرنے والا اور کارساز وہی ہے، اسے راضی کرلو، کام بنے گا تو اسی سے بنے گا۔

③ دوسرا قصہ:

انہوں نے سوچا کہ کوئی ایسا معاملہ کرنا چاہئے کہ ان کے بتوں کو توڑا جائے، یہ لوگ جو غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں، پتھروں کو پوجتے ہیں ان کی خبر لینا چاہئے، ان کی عید اور میلہ کا دن تھا، نکلے، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ "میری ذرا طبیعت خراب ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ ان بتوں کو دیکھ دیکھ کر طبیعت خراب ہو رہی ہے، غصہ آرہا ہے، جب تک ان کی خبر نہیں لے لیتا طبیعت بحال نہیں ہوگی، کسی کو جسمانی تکلیف ہوتی ہے، کوئی اس لئے گھلتا ہے کہ یہ گناہ کا کام کیوں ہو رہا ہے؟ وہ چلے گئے، پیچھے جتنے بت تھے، کلہاڑا لے کر سب کی گردنیں کاٹ ڈالیں، اور کلہاڑا سب سے بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا، وہ واپس آئے تو حیران کہ ہمارے سب دیوتاؤں کو کس نے قتل کر دیا؟

مختصر یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلایا اور پوچھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام

نے فرمایا، یہ بڑا جس کے کندھے پر کلہاڑا ہے اس سے پوچھ لو، جس سے اسلحہ برآمد ہو قاتل وہی ہوا کرتا ہے، پوچھو اس سے کہ بڑے دیوتا نے چھوٹے دیوتاؤں کو کیوں قتل کر دیا؟ اب بہت پریشان ہوئے اور خاموش ہو گئے کہ جو دیوتا نہ بولے اور نہ سنے نہ جواب دے، اس سے ہم کیا پوچھیں؟ ذرا سی بات عقل میں آگئی کہ ان بے جان پتھروں سے کیا پوچھیں؟ بات تو ٹھیک ہی ہے، بھلا جو اپنی مدد نہ کر سکے وہ دوسروں کی کیا مدد کرے گا؟ ذرا سی بات سمجھ میں آئی، کچھ دیر تو خاموش رہے مگر پھر وہی نفس و شیطان کا غلبہ، عقل پر گناہ کا تقاضا چھا جاتا ہے یا جیسے میں کہتا رہتا ہوں کہ گناہ کرتے کرتے عقل مسخ ہو جاتی ہے، جب انسان گناہ زیادہ کرتا ہے تو اس کی عقل کام نہیں کرتی، اللہ تعالیٰ عقل پر پردہ ڈال دیتے ہیں، بالآخر سمجھ گئے کہ یہ کام ابراہیم ہی نے کیا ہے، اسے سزا دی جائے، آگ میں ڈال دیا جائے، آگ جلائی گئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے کہ میں آپ کو نکال دوں یا آگ بجھا دوں تو جواب میں ارشاد فرمایا:

﴿اما انت فلا﴾

"آپ کی مدد کی مجھے ضرورت نہیں، میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔"

حالانکہ جبرئیل علیہ السلام کو بھی تو اللہ تعالیٰ ہی نے بھیجا تھا، مگر محبت کا وہ تعلق کہ درمیان میں آپ کا واسطہ کیوں رہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی مدد سے انکار فرما دیا، کہ میرا رب مجھے کافی ہے، اس کے بعد براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہوا کہ کیا چاہتے ہو، بتاؤ، بچالیں؟ تو جواب میں عرض کیا: حسبی من سوالی علمک بحالی۔ "یا اللہ! جب تو دیکھ ہی رہا ہے تو میں کیا کہوں؟ مجھ سے کیا کہلوانا چاہتا ہے، مجھے تو دیکھ رہا ہے اور تجھ سے محبت کا تعلق بھی ہے تو پھر میں کیا کہوں؟ بس اتنا ہی کافی ہے کہ تو میرے حال کو دیکھ رہا ہے، بس اتنا کافی ہے" اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا آگ کو۔

﴿کونی بردا وسلاما علی ابراھیم○﴾ (۲۱-۶۹)

"اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی۔"

اس آگ نے تعمیل ارشاد میں اتنی جلدی کی کہ ہو سکتا تھا کہ اس میں کچھ غلطی کر جائے تو فرمایا تعمیل حکم میں تعجیل کرو مگر اس تعجیل میں دو غلطیوں کا احتمال ہے، وہ مت کرنا، ہوشیاری سے ٹھنڈی ہونا، ایک یہ کہ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی ہونا، دوسروں پر نہیں کہ بالکل ہی ٹھنڈی ہو جائے، دیکھا دیکھی دشمن بھی گھسنے لگیں، کفار میں سے کوئی قریب بھی آئے تو قصہ تمام کر دینا۔

دوسری بات یہ کہ جلدی میں کہیں اتنی ٹھنڈی نہ ہونا کہ بالکل یخ اور برف ہی بن جائے، ایسا نہ کرنا، کیا بننا؟ ائیر کنڈیشنر، نہ گرمی نہ سردی بلکہ معتدل رہنا۔

﴿یانار کونی بردا وسلاما﴾

اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی، سب کے لئے نہیں، بلکہ: علی ابراھیم۔ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام پر۔

دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے پریشانی کے اسباب زائل فرما کر، راحت کے اسباب پیدا فرما دیئے، آگ جیسی گرم چیز بھی ٹھنڈی کر دی، یہ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق تھا، ان کو راضی کر رکھا تھا، وہ تعلق محبت کہ انہیں بتلانے کی بھی ضرورت نہیں، یا اللہ! تو خود دیکھ رہا ہے، بچہ پر آفت آنے لگے تو ماں باپ کی محبت یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ پکارے گا تو ہم امداد کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی محبت جو والدین کی محبت سے بدرجہا زیادہ ہے کیسے برداشت کر سکتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے پکارنے پر امداد کی جائے، اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا:

﴿حسبی من سؤالی علمک بحالی﴾

"یا اللہ! مجھے کہنے کی کیا ضرورت تو خود ہی جب دیکھ رہا ہے۔"

④ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی تھیں، اس زمانہ میں ایک کافر وظالم بادشاہ تھا اس ظالم کو یہ خیال آیا کہ سارہ کو ان سے چھین لے قبضہ کرلے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کا علم ہوگیا کہ اس کا ایسا ایسا ارادہ ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی عورت غیر شادی شدہ ہوتی تو اس پر وہ بدمعاش ویسے ہی قبضہ کرلیتا تھا، اور اگر کوئی شادی شدہ ہو تو شوہر کو قتل کردیتا تھا، عورت کو اپنے پاس رکھ لیتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خیال ہوا کہ حفاظت تو اللہ تعالیٰ بہرحال فرمائیں گے، مگر جہاں تک اسباب ظاہرہ کا تعلق ہے انہیں بھی اختیار کرنا چاہئے، یہ مضمون کئی دفعہ آچکا ہے کہ جس حد تک اسباب اپنے اختیار میں ہوں ان کو نہ چھوڑا جائے، اسباب اختیار کئے جائیں، نظر مسبب پر رکھی جائے، سو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خیال ہوا کہ حفاظت بہرحال ضرور ہوگی، مگر درجہ سبب میں جو کچھ اپنی قدرت میں ہے وہ تو کرنا ہی چاہئے چنانچہ وہ پہلے تو یہ تحقیق کرے گا کہ یہ ابراہیم کی بیوی ہیں یا نہیں؟ اس کا تدارک ہمارے اختیار میں ہے، حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اگر مجھ سے پوچھے گا تو میں یہ کہہ دوں گا کہ یہ میری بہن ہے اور اس کی حقیقت بھی بتادی کہ اس وقت یہاں اسلام میں صرف ایک میں ہوں دوسری تو ہے، اور کوئی ہے نہیں، اسلامی لحاظ سے بہن ہے، المسلمون اخوۃ۔ "سب مسلمان آپس میں بھائی بہن ہیں"

چنانچہ قتل سے یوں حفاظت ہوگئی، وہ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے قبضہ میں لے گیا، صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ جب اس نے برائی کا ارادہ کیا تو حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نماز پڑھی اور دعاء کی، وہیں اس بادشاہ پر کوئی دورہ پڑ گیا، پکڑا گیا، اب وہ کہتا ہے کہ مجھے معاف کردو، معاف کردو، آئندہ برائی کا ارادہ نہیں کروں گا، پھر دعاء کی، وہ چھوٹ گیا، دو یا تین بار ی طریقہ سے ہوا، بادشاہ نے یہ

کرامت دیکھ کر حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چھوڑ دیا اور مزید بطور خادمہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دے دیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے بھی نکاح کر لیا۔

اللہ تعالیٰ کا کیسا فضل و کرم ہوا، دین بچا، عزت بچی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جان بچی، ان سب کی حفاظت فرمانے کے ساتھ ساتھ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خادمہ بھی دلوادی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دوسری بیوی، جس سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، پھر آپ کی اولاد سے محسن اعظم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔

⑤ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

اس میں بھی یہی سبق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے کیسے اسباب پیدا فرمادیتے ہیں؟

جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ ماں بیٹا دونوں کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ آؤ، جہاں کوئی دانہ نہ پانی، کچھ نہیں ہے، اور پہاڑ خشک ہیں، جن پہاڑوں سے کسی زمانہ میں پیٹرول تو نکلے گا مگر ان میں نہ پانی ہے اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی درخت و سبزہ، یعنی جہاں بیت اللہ ہے، دونوں کو وہاں چھوڑنے کا حکم ملا، چھوڑ دیا، چھوڑ کر واپس تشریف لے جا رہے ہیں، مگر ان کو بتایا نہیں، اگر بتایا تو ابھی سے کہیں ڈرنا نہ شروع کر دیں، حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پوچھتی ہیں ہمیں کہاں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ وہ خاموش ہیں بولتے نہیں، دوبارہ پوچھا، کہاں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ پھر خاموش، تیسری بار پوچھا کہ اچھا یہ تو بتادیں کہ اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہے ہیں یا اپنی مرضی سے؟ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام بولے، جواب میں فرمایا، اللہ کے حکم سے، حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا

جواب سنئے، فرماتی ہیں: اذالا یضیعنا۔ جب ہمیں اللہ نے یہاں بٹھادیا ہے تو وہ یقیناً ہمیں ضائع نہیں کرے گا، جس نے بٹھایا ہے وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا، آپ اطمینان سے جائیں، ہمیں اب کسی کی ضرورت نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس ہونے لگے تو بیوی کی نظر سے غائب ہو کر دعاء فرمائی "یا اللہ! تیرے حکم سے میں نے ان کو چھوڑا ہے، تو ان کے لئے رزق کا سامان پیدا فرما" دوسری دعاء یہ کی: "یہ اکیلے ہیں ان کے انس کے لئے یہاں کچھ اچھے لوگ آباد ہو جائیں تاکہ وحشت نہ رہے" جب پانی نکل آیا قبیلہ بنی جرہم کے لوگ ادھر سے جارہے تھے، دیکھا اس طرف پرندے وغیرہ جمع ہیں، سوچا کہ یہ کیا ہوا؟ یہاں تو پانی کا نام ونشان بھی نہیں تھا؟ اور یہاں جو پرندے منڈلا رہے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی چشمہ ہو گیا، دیکھا تو پانی ہے، وہ جگہ ان کو پسند آگئی، وہیں رہ پڑے، اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے انس کا سبب پیدا فرمادیا۔

آج کا مسلمان سوچے، فلاں ذریعہ معاش اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا، فلاں مال اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا ہے، جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کردی ہیں ان سے نکال کر الگ کرکے اپنے بندوں کو بٹھادیا ہے مگر یہ بندہ ایسا نالائق ہے کہ پھر بھی ڈر رہا ہے کہ مجھے رزق کہاں سے ملے گا؟ کتنی نالائقی کی بات ہے حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایسی جگہ پر ہیں کہ جہاں نہ پانی ہے نہ کوئی انسان، نہ سایہ نہ کھانا نہ دانہ ہے، چھوٹا سا بچہ ساتھ ہے، اور بظاہر کوئی سبب موجود نہیں ہے، مگر جب یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے بٹھایا ہے تو سارے خوف، تمام خطرات زائل ہو گئے، بڑے اطمینان سے بیٹھ گئیں کہ جس نے بٹھایا ہے وہی سب کچھ کرے گا، آج کے مسلمان کو یہ اعتماد نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو جن جن ذرائع معاش کو حرام قرار دیا ہے، ان سے ہٹا کر ہمیں بٹھادیا ہے، تو جس نے بٹھادیا ہے، وہی دستگیری فرمائے گا، اللہ کرے کہ اس پر توکل، اعتماد بحال ہو جائے پھر دیکھئے کہ سارے کام ہوتے ہیں، اس کے بعد اللہ

تعالیٰ نے کیسے ان کی پرورش فرمائی، زم زم کا کنواں ظاہر ہو گیا، اسمٰعیل علیہ السلام جہاں تھے قریب میں پانی نکل آیا اور اتنا پانی اتنا پانی کہ کسی صورت میں ختم ہی نہیں ہو سکتا، اتنا پانی ہے زم زم میں، حدیث میں ہے کہ جب وہ پانی نکلا تو بہنے لگا، حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خیال ہوا کہ کہیں یہ کر ضائع نہ ہو جائے کہیں اس کو جمع کرنا چاہئے، تو ہاتھوں سے اس کی منڈیر باندھنا شروع کی اور کہہ بھی رہی ہیں: زم زم۔ "ٹھہر جا ٹھہر جا" وہ کنواں بن گیا وہیں ٹھہر گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر وہ اس پانی کو نہ روکتیں اور ٹھہر جا ٹھہر جا نہ کہتیں تو یہ نہر جاری ہو جاتی، اتنا پانی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک دفعہ کوئی انسان اس کنویں میں گر کر مر گیا، فرمایا کہ سارا پانی نکال دو، پانی ناپاک ہو گیا، نکالنا شروع کیا، ساری کوششیں کر لیں، مگر وہ ختم ہی نہیں ہو رہا، کوشش بھی حکومت کی، جو بھی اس وقت اسباب مہیا ہو سکتے تھے سب کر لئے، وہ ختم ہی نہیں ہو رہا، آخر کنوؤں کی تہ میں غوطہ لگانے والوں کو فرمایا کہ تحقیق کرو کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا یہ ختم نہیں ہو سکتا، جتنا نکالا جا رہا ہے اس سے زیادہ آرہا ہے، فرمایا کہ اچھا چھوڑ دو پاک ہو گیا، یہ کنواں تھوڑا ہی ہے دریا معلوم ہو رہا ہے، اتنا زیادہ رزق عطاء فرمایا اللہ تعالیٰ نے، غور کیجئے کہ پانی کتنا وافر ہے، پلانا تھا دو ماں بچہ کو اور دیا اتنا کہ قیامت تک لوگ سیراب ہوتے رہیں گے، اور اس میں خاصیت یہ رکھ دی کہ کھانے کا کام بھی دیتا ہے، اس میں غذائیت ہے اور غذائیت بھی کیسی؟ سونے کے کشتوں کی ملاوٹ ہے اس میں، صرف روٹی کا کام نہیں دیتا بلکہ جسم میں جن کشتوں کی ضرورت ہے ان کا کام بھی دیتا ہے، کئی حضرات نے تجربہ کر کے بتایا ہے کہ کچھ نہ کھائیں صرف زم زم کا پانی پی لیں، تو کبھی ضعف ہی نہیں ہو، پینے کی بجائے بھی وہی اور کھانے کی جگہ بھی وہی۔

⑥ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

اللہ تعالیٰ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے بچپن میں غیب سے رزق عطاء

فرماتے تھے۔

⑦ دوسرا قصہ:

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے غسل فرمانے کے لئے پردہ کیا تو اندر حضرت جبرئیل علیہ السلام نمودار ہوئے، انہوں نے سمجھا کہ کوئی انسان ہے اور برائی کے ارادہ سے آرہا ہے، تو فرمایا

﴿انی اعوذ بالرحمن منک ان کنت تقیا﴾ (۱۹-۱۸)

"میں رحمن کی پناہ چاہتی ہوں، تجھے متقی رہنا چاہیے۔"

اللہ سے ڈرو، کس مقصد کے لئے آئے ہو؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ میں اللہ کا فرستادہ ہوں، اللہ نے مجھے بھیجا ہے، آپ کے بطن سے بچہ پیدا ہونے والا ہے، حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ میری شادی تو ہوئی نہیں، بچہ کیسے پیدا ہو جائے گا؟

اگر حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی تھیں تو ظاہر ہے کہ نبی حضرت جبرئیل علیہ السلام کو پہچان ہی لیتا ہے، شروع میں اگرچہ انہوں نے نہیں پہچانا مگر جب انہوں نے کہا کہ میں اللہ کی طرف سے ہوں تو پہچان لیا، اور اگر نبی نہیں تھیں تو اللہ تعالیٰ نے دل میں اتنی قوت کے ساتھ بات ڈال دی، الہام کر دیا، جس سے یقین آگیا کہ یہ جبرئیل ہی ہیں، آج کسی عورت کے پاس کوئی مرد چلا جائے اور کہے کہ میں جبرئیل ہوں تو وہ تھوڑا ہی یقین کرے گی، اگر یقین کرے گی تو گناہ گار ہوگی، گناہ میں مبتلا ہو جائے گی، انہوں نے جو یقین کر لیا تو اس لئے کہ وہ ولایت کے ایسے مقام پر تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی اور ایسی ڈالی کہ جس پر ان کو یقین ہو گیا کہ واقعی جبرئیل ہی ہیں، اب یہ کہا کہ شادی تو ہوئی نہیں تو بچہ کیسے ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدرت کا کرشمہ دیکھئے، ہو جائے گا، بچہ پیدا ہو گیا، حضرت مریم رضی اللہ

تعالیٰ عنہا کو یہ فکر ہوئی کہ شادی تو ہوئی نہیں، لوگ بدنام کریں گے تہمت لگائیں گے، اس کا جواب کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مریم! اگر تم سے کوئی پوچھے تو تم تو بولنے سے روزہ رکھ لینا اور یہ کہہ دینا کہ میں نے آج بولنے سے روزہ رکھا ہے، اور بچہ کی طرف اشارہ کر دینا کہ اس سے پوچھ لو کہ یہ خود ہی بتا دے گا، اور اتنی بات بھی زبان سے نہ کہنا اشارہ ہی کر دینا، خود خاموش رہنا۔

چنانچہ جب گئیں تو قوم پوچھنے لگی کہ یہ کیا ہوا؟ تم تو بہت نیک خاندان کی ہو، بہت نیک تھیں، آپ نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا، انہوں نے کہا:

﴿کیف نکلم من کان فی المهد صبیا﴾ (۱۹ - ۲۹)

کہ بچہ سے ہم کس طرح گفتگو کریں بس ان کا کہنا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شروع ہو گئے، تقریر کرنے لگے۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے جو واقعات بیان ہوئے ان کے بارے میں دو عمل ہونے چاہئیں، ایک تو یہ کہ ان کو سوچ سوچ کر اللہ تعالیٰ پر توکل میں اضافہ کیا جائے، دوسرا کام یہ کہ ان کے بیان کے وقت دعاء کر لیا کریں کہ یا اللہ! جیسے تو نے ان کی دستگیری فرمائی اور جو رحمت تیرے ان مقبول بندوں کی طرف متوجہ ہوئی ہم بھی اسی رحمت کے طلب گار ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تقریر شروع فرمائی: انی عبد اللہ۔ عجیب تقریر ہے، کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھے ہی ماننے والے ایسے پیدا ہوں گے کہ مجھے اللہ ہی بنا دیں گے، اور یہ بھی کہیں گے کہ اللہ کا بیٹا ہے، مگر سن لو کہ میرا سب سے پہلا کلام پیدا ہونے کے بعد یہ ہے کہ میں نہ اللہ ہوں نہ اللہ کا بیٹا ہوں، میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور بندہ بھی ایسا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے رسالت عطاء فرمائی ہے، یعنی بڑا ہونے کے بعد رسول ہوں گا۔

اس قصہ سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے تقویٰ کی

بدولت ایک بہت بڑے الزام واتہام سے بچانے کے لئے ایسے اسباب پیدا فرما دیئے اللہ کی رحمت ایسی متوجہ ہوئی کہ ہزاروں صفائی کے گواہ ہوتے تو ان سے وہ صفائی پیدا نہ ہوتی جتنی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بول کر صفائی کردی۔ عزت کی پریشانی بہت بڑی پریشانی ہوتی ہے، پریشانی کا موقع تھا کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا پریشان ہونگی، اس پریشانی کا اللہ نے ایسا علاج فرمایا کہ بچہ ابھی ابھی پیدا ہوا ہے اور بول رہا ہے۔ اور کیا بول رہا ہے؟ بڑی فصیح وبلیغ پرمعنی تقریر فرمارہے ہیں۔

⑧ حضرت یوسف علیہ السلام:

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے سوچا کہ ابا کو ان سے زیادہ محبت ہے، حالانکہ مختلف ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی وجہ سے ہم زیادہ حقدار ہیں، سیر سپاٹے اور کھیل کود کا بہانہ بنا کر جنگل میں لے گئے، مختلف تدابیر کے بعد متفقہ فیصلہ یہ کیا کہ آپ کو کنویں میں پھینک دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

ادھر بھائی آپ کو کنویں میں پھینک کر آئے ادھر ایک قافلہ کا گذر ہوا، انہیں پانی کی ضرورت پیش آئی، ایک شخص بھیجا، اس نے کنویں سے ڈول نکالا تو اس میں حضرت یوسف علیہ السلام باہر آگئے، اہل کارواں خوش ہوگئے، مصر جاکر دولت کے لالچ میں بہت تھوڑی سی قیمت لے کر بیچ دیا، انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ کتنے بڑے درجہ تک پہنچنے والے ہیں، بادشاہ نے آپ کو خرید لیا، اور بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ گھر میں رکھا، بیوی کو آپ کا خصوصی خیال رکھنے کا حکم دیا، خوب ناز ونعم میں آپ کی پرورش کی، ان کا خیال تھا کہ آپ کو اپنا بیٹا بنالیں کیوں کہ ان کی اولاد نہ تھی، اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی تربیت اور نگہداشت کا اعلیٰ انتظام کردیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون﴾ (۱۲-۲۱)

لوگوں کے وہم وگمان میں بھی ایک بات نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ اس کے ظہور اور

تکمیل کے ایسے اسباب پیدا فرماتے ہیں کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے، ظاہری آنکھیں صرف ظاہری حالات کو دیکھ رہی ہوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں اندر ہی اندر اس کے اسباب پیدا فرمادیتے ہیں، اور وہ ہو کر رہتا ہے جو وہ کرنا چاہتے ہیں،

حضرت یوسف علیہ السلام چونکہ نیک تھے، مقرب بارگاہ الٰہی تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت بلکہ عزت افزائی کے لئے حالات موافق فرمادیئے، بھائی اس خیال میں ہیں کہ ہم نے ان کا خاتمہ کردیا، والد کو صدمہ ہے کہ نہ معلوم کس حال میں ہیں؟ اسی صدمہ میں روتے رہتے، زندگی دو بھر ہوگئی، کثرت آہ و بکاء سے بینائی جاتی رہی، بیٹے کہتے ہیں:

﴿تاللہ تفتؤا تذکر یوسف حتی تکون حرضا او تکون من الھلکین﴾ (۱۲-۸۵)

"واللہ! آپ ہمیشہ یوسف کی یاد میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ گھل گھل کر دم بلب ہوجائیں گے یا یہ کہ بالکل ہی مرجائیں گے۔"

مگر اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام کو ان مراحل سے گزار کر بادشاہت کی منزل کی طرف لے جارہے ہیں۔

⑨ دوسرا قصہ:

جب زلیخا نے ہر طرف سے دروازے بند کردیئے، تالے لگادیئے، اور یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی، تو وہ یہ جاننے کے باوجود کہ بھاگنے کا کوئی راستہ ہی نہیں دروازے بند ہیں، مگر پھر بھی بھاگے اور جس جس تالے کے قریب پہنچتے گئے وہ خود ہی کھلتا چلا گیا۔

اس سے ایک بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ اگر سارے ذرائع مفقود ہوجائیں تمام راستے مسدود ہوجائیں وسائل محدود ہوجائیں تو بھی مایوس ہو کر نہ بیٹھیں، جتنا آپ

کے اختیار میں ہے اتنا ضرور کریں قدم اٹھائیں اگر نیت خالص اور ارادہ محکم ہو تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے راستہ کی مشکلات اور رکاوٹیں دور فرمادیں گے، اگر یوسف علیہ السلام تالے دیکھ کر بیٹھے رہتے تو ابتلاء کا اندیشہ تھا، لیکن انہوں نے سوچا جہاں تک بھاگ سکتا ہوں بھاگوں آگے اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

گرچہ رخنہ نیست عالم راپدید
خیرہ یوسف وار می باید دوید

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے مدین کی طرف نکلے تو راستہ معلوم نہیں، جنگل اور پہاڑوں کے طویل سلسلے، وہاں نہ کوئی رہبر نہ رفیق سفر، بس اللہ کے بھروسہ پر چل پڑے، اگر یہ سوچتے کہ اکیلے جانا ممکن نہیں، گم ہو جاؤں گا تو نہ پہنچ پاتے، مگر انہوں نے جو کچھ اختیار میں تھا اسی پر عمل کیا، قدم اٹھائے چل پڑے، نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیا، تو اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور منزل مقصود تک پہنچا دیا۔

آپ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں، کوئی راستہ نظر نہیں آتا، اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے قدم اٹھائیں راستے خود بخود کھل جائیں گے۔

گناہوں سے بچنے کے لئے یوسف علیہ السلام نے تریھلا نسخہ استعمال فرمایا، تریھلا بہت ہی قدیم اور آزمودہ نسخہ ہے، جس کے تین اجزاء ہیں آملہ، ہیڑہ، ہلیلہ۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی ایسا نسخہ استعمال فرمایا جس کے تین اجزاء ہیں:

❶ ہمت:

انسان ہزاروں تعویذ کرائے، دعائیں کرے کرائے، جب تک ہمت سے کام نہیں لے گا اس وقت تک دعاء بھی قبول نہیں ہوگی، اپنے اختیار میں جو کچھ ہے اسے بروئے کار لائے، عزم اور ہمت سے کام لے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے، یوسف علیہ السلام دیکھ رہے تھے کہ دروازے بند ہیں لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری، جہاں تک

سادے بھاگ سکتے تھے بھاگے۔

❷ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مراقبہ:

آپ کو جب دعوت گناہ دی گئی تو فرمایا:

﴿معاذ اللہ انه ربی احسن مثوای انه لا یفلح الظلمون﴾

(۱۲ - ۲۳)

"جس رب کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں اس کی نافرمانی کروں؟ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔"

❸ اظہار عجز:

انہوں نے اپنی ذات پر اعتماد اور نیکی پر تعلّی اور فخر نہیں کیا، بلکہ عاجزی کا اظہار کیا، اور اس ابتلاء عظیم میں اللہ تعالیٰ سے دستگیری کی دعاء فرمائی، اپنی ناتوانی اور کمزوری کا اقرار کیا، اور گڑگڑاتے ہوئے دعاء کی:

﴿والا تصرف عنی کیدهن اصب الیهن واکن من الجهلین﴾

(۱۲ - ۳۳)

"اگر آپ ان کے داؤ پیچ مجھ سے رفع نہ کریں گے تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانی کا کام کر بیٹھوں گا۔"

پھر براءت کے فیصلے کے بعد اپنی پاک دامنی پر ناز نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی دستگیری پر نظر ہے:

﴿وما ابرئ نفسی ان النفس لامارة بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی غفور رحیم﴾ (۱۲ - ۵۳)

"میں اپنے نفس کو بری نہیں بتاتا، نفس تو بری ہی بات بتاتا ہے، بجز اس کے جس پر میرا رب رحم کرے، بلاشبہ میرا رب بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کو انسان کا اظہار عجز و نیاز بہت پسند ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ کنز من کنوز الجنۃ﴾ (مسند احمد)

"ایک بار لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھ لینا جنت کے خزانوں میں سے بہت بڑا خزانہ ہے۔"

یہ کہنے سے اتنا بڑا اجر کیوں ملتا ہے؟ جب کہ بظاہر اس میں دعاء کے الفاظ اور کلمات بھی نہیں، اس لئے کہ اس میں اپنی ناتوانی اور عجز کا اظہار ہے، اپنی کوششوں اور صلاحیتوں کے نقص کا اعتراف ہے، ہر قسم کے تکبر اور تعلی کی نفی ہے، یہ کلمات کہہ کر انسان اقرار کرتا ہے کہ اگرچہ بدی سے بچنے کی سعی اور حسنات کرنے کی کوشش میں کرتا ہوں، لیکن جب تک توفیق ایزدی دستگیری نہ کرے نہ بدی سے بچ سکتا ہوں نہ نیکی کر سکتا ہوں۔

بہرحال گناہ سے بچنے کے نسخہ کے تین اجزاء ہوئے: ہمت کی بلندی، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مراقبہ و استحضار اور اظہار عجز و بندگی، یہ تینوں اجزاء یوسف علیہ السلام کے قصہ سے حاصل ہوئے، مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہوں سے بچنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پریشانیاں اور مصائب دور فرمادیتے ہیں، اس قصہ کے بقیہ اجزاء سے بھی یہی سبق ملتا ہے، غور کیجئے، زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام پر کتنی بڑی تہمت لگائی، جب آپ اس کی دعوت گناہ سے نفرت اور انکار کرتے ہوئے بھاگے، پیچھے پیچھے زلیخا بھی بھاگتی ہوئی باہر آگئی، سامنے ہی اس کا شوہر مل گیا، اس سے قبل کہ یوسف علیہ السلام شکایت

کرتے یا شوہر حقیقت حال دریافت کرتا لہٰذا نے عورتوں کے مکروفریب سے کام لیتے ہوئے حفظ ماتقدم کی خاطر پہلے ہی شکایت کردی کہ اس نے مجھ سے برائی کا ارادہ کیا ہے، اسے سزا دی جائے، جیل میں رکھا جائے یا سخت عذاب دیا جائے، آج کل بھی لوگ بڑی مکاریاں کرتے ہیں، جو ظالم ہوتا ہے وہ پیش قدمی کرکے عدالت میں پہلے ہی دعوی دائر کردیتا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام ایک پریشانی سے نکلے دوسری میں پھنس گئے، پہلی سے نجات ملی مطمئن ہوگئے لیکن یہ دوسری مصیبت پہلی سے بھی بڑھ کر سامنے آگئی، ایک طرف عزت پر بٹہ، بدنامی کا خطرہ، دوسری طرف جیل کی کال کوٹھڑی اور ناکردہ گناہوں کی سزا، لیکن پریشانیوں کے ہجوم اور خطرات کے طوفان میں ان کی نظر احکم الحاکمین کی طرف لگی رہی، اس پر جو اعتماد اور توکل تھا، اس میں ذرہ بھر ضعف نہ آیا، نہ ڈگمگائے نہ پست ہمت ہوئے، نہ جھکے، نہ خوشامد کی۔ احکم الحاکمین نے فیصلہ فرمایا اور اتنی جلدی امداد فرمائی اور غیب سے ایسے عجیب اسباب پیدا فرمائے کہ ظاہری آنکھیں دیکھتی رہ گئیں، اللہ تعالیٰ نے تین چار ماہ کے ایک شیر خوار بچہ کو قوت گویائی عطاء فرمائی، اور وہ یوں فیصلہ سناتا ہے:

﴿وشهد شاهد من اهلها ان كان قميصه قد من قبل فصدقت وهو من الكذبين وان كان قميصه قد من دبر فكذبت وهو من الصدقين﴾ (۱۲-۲۶،۲۷)

"اور اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے شہادت دی کہ ان کا کرتہ اگر آگے سے پھٹا ہوا ہے تو عورت سچی ہے اور یہ جھوٹے، اور اگر ان کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچے۔"

اب جو دیکھا گیا تو کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے، اسی وقت صدق وکذب کا فیصلہ ہوگیا اور شوہر دیکھ کر کہنے لگا:

﴿فلما رأ قمیصہ قد من دبر قال انہ من کیدکن ان کیدکن عظیم ○ یوسف اعرض عن ھذا واستغفری لذنبک انک کنت من الخطئین ○﴾ (۱۲ - ۲۸،۲۹)

"سو جب ان کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا، کہنے لگا کہ یہ تم عورتوں کی چالاکی ہے، بیشک تمہاری چالاکیاں غضب ہی کی ہیں۔ اے یوسف! اس بات کو جانے دو۔ اور اے عورت! تو اپنے قصور کی معافی مانگ، بیشک سرتاسر تو ہی قصوروار ہے۔"

زلیخا کے شوہر کو یوسف علیہ السلام کی عفت و پاکدامنی کا یقین آگیا، مگر اس کے باوجود اپنی عزت بچانے کے لئے آپ کو جیل میں مقید کردیا، تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ قصور آپ کا ہے اور اس کی بیوی پاک دامن ہے۔

یہ پے در پے تکلیفیں اور پریشانیاں یوسف علیہ السلام پر آئیں، کنویں میں پھینکے گئے، بازار میں نیلام ہوئے، زلیخا کے مکروفریب نے اور ہوس نے پریشان کیا، جیل میں ڈال دیئے گئے، پیارے ابا اور اہل خاندان سے فراق کا غم اٹھانا پڑا، لیکن بایں ہمہ حرف شکایت زبان پر نہ لائے، ابا سے ملاقات بھی ہوئی لیکن رو رو کر اپنے دکھڑے اور حالات و مصائب نہ سنائے جیسا عام طور پر ایسے حالات میں ہوتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے احسانات گنوائے، جیل کی مدت اور اس کی تکلیفوں کے ذکر کی بجائے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کیں، ان کی غیبی امداد اور دستگیری کا تذکرہ کیا:

﴿وقد احسن بی اذ اخرجنی من السجن وجاء بکم من البدو من بعد ان نزغ الشیطن بینی وبین اخوتی ان ربی لطیف لما یشاء انہ ھو العلیم الحکیم ○﴾ (۱۲ : ۱۰۰)

"اور اس اللہ نے میرے ساتھ احسان کیا کہ اس نے مجھے قید سے نکالا

اور تم سب کو باہر سے لے آیا، بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوادیا تھا، بلاشبہہ میرا رب جو چاہتا ہے اس کی عمدہ تدبیر کرتا ہے، بلاشبہہ وہ بڑا علم والا حکمت والا ہے۔"

بھائیوں سے جو تکلیف پہنچی تھی اس کا بھی ذکر نہیں کیا، وقت کے بادشاہ تھے مختار تھے، انتقام پر قدرت رکھتے تھے لیکن انتقام تو کیا معنی شکوی تک نہیں کیا ان کو شرمندہ کرنا پسند نہ کیا، بھائیوں نے صرف یہ کہا:

﴿تاللہ لقد اثرک اللہ علینا وان کنا لخطئین﴾ (۱۲-۹۱)

"واللہ! کچھ شک نہیں کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت عطاء فرمائی، اور بے شک ہم خطاوار تھے۔"

اس سے قبل کہ بھائی رسمی طور پر معافی کی درخواست پیش کرتے آپ نے سب کو معاف کردیا، اور ساتھ ساتھ ان کے لئے دعاء بھی فرمائی:

﴿لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الرحمین﴾

(۱۲-۹۲)

"تم پر آج کوئی الزام نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کرے، وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔"

اور بھائیوں کو ندامت سے بچانے کے لئے اس سارے معاملہ کو اور ان کی شرارت کو شیطان کی طرف منسوب کردیا، کہ ارے بھائی کچھ نہیں ہوا، یہ تو شیطان کی شرارت تھی، اس طرح ان کے ذہنوں کو صاف کردیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحق بن ابراھیم﴾

"خود کریم بن کریم کا بیٹا وہ کریم کا پوتا وہ کریم کا بیٹا۔"

چار پشتوں تک سراسر کرم جس میں یہ کرم ہو وہ انتقام نہیں لیتا درگذر کرتا ہے۔

یوسف علیہ السلام کی زندگی کا یہ پہلو سبق دیتا ہے کہ خواہ کتنی مصیبتیں پہنچیں، نظر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر رہنی چاہئے، ایسا نہ ہو کہ مصائب کی تلخی میں اس کے بے پناہ احسانات کی مٹھاس بھول جائے اور شکوہ سنجی کو اپنا شیوہ اور اظہار حزن وملال کو اپنا معمول بنالے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ کرے اور یہ سبق بھی ملا کہ قدرت انتقام کے باوجود عفو ودرگذر سے کام لینا چاہئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ یہ بتانے کے لئے بیان کر رہا تھا کہ ترک گناہ سے پریشانیوں کا ازالہ ہوتا ہے، درمیان میں عبرت ونصیحت کی کچھ دوسری باتیں بھی آگئیں، اب اصل مضمون کی طرف عود کرتا ہوں۔

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے بھی یہی سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت وبندگی پر کس طرح اسباب کو موافق فرمادیتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس زمانہ میں پیدا ہوئے جب بنی اسرائیل کے بچوں کو فرعون قتل کروارہا تھا، اس لئے کہ ایک نجومی نے اسے خبر دی تھی کہ ان میں کوئی بچہ ہوگا جو تمہاری سلطنت کے زوال کا باعث بنے گا۔

موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کے دل میں یہ تدبیر ڈالی کہ ان کو دودھ پلاکر صندوق میں بند کرکے دریا میں ڈال دو، انہوں نے ایسا ہی کیا، غور کریں اگر صندوق اچھی طرح بند ہے تو بچہ کی زندگی کا رشتہ قائم رکھنے کے لئے ہوا کہاں سے آرہی ہے؟ اور اگر صحیح طرح بند نہیں تو پانی اس میں کیوں نہیں بھرتا؟ یہی اس کی کریمانہ شان اور تربیت وقدرت کاملہ کا کرشمہ تھا، دریا میں سے ایک شاخ فرعون

کے محل میں سے گزرتی ہوگی، یا دریا ہی محل کی دیواروں کے ساتھ بہتا ہوگا، با امر الٰہی یہ صندوق وہیں سے گزرا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی بیوی کے دل میں اسی وقت دریا کی سیر کا داعیہ پیدا فرمادیا، ظاہر ہے کہ وہ آٹھوں پہر دریا کے بہاؤ پر ہی تو نظر نہیں رکھتے تھے، نہ ہی نگرانی کرتے تھے، وہ نکلے صندوق پر نظر پڑی، انہوں نے نکال لیا، اسے کھولا تو اس میں موسیٰ علیہ السلام نظر آئے، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ فوراً اسے قتل کر دیتا کہ شاید یہ وہی ہو جس کے خوف سے بنی اسرائیل کو قتل کیا جا رہا ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿والقیت علیک محبۃ منی﴾ (۲۰-۳۹)

”ہم نے ایسی شان محبوبیت پیدا فرمادی کہ جو بھی نظر ڈالتا، فداء ہی ہو جاتا۔“

فرعون کے ہاں اولاد نہیں تھی طے کر لیا کہ اس پیارے بچہ کو بیٹا ہی بنا لیا جائے، اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ ایسا ظالم و جابر اور شقی جو گھروں سے چن چن کر بچوں کو قتل کروا رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس بچہ کو اسی کے گھر میں بھیج کر اسی کے ہاتھوں پرورش کرواتے ہیں۔

دریا اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع، صندوق اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع، ہواؤں کے تصرفات اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع، فرعون اور اس کی بیوی کا دل بھی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حسن سلوک و اظہار محبت اور تربیت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع، جب وہ چاہیں جس قسم کے اسباب چاہیں پیدا فرما دیتے ہیں، انہوں نے جو طے فرما لیا وہ بہر صورت ہو کر رہے گا:

﴿واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون﴾ (۱۲-۲۱)

اس قصہ سے یہ عبرت حاصل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی حفاظت

کے لئے غیب سے اسباب پیدا فرمادیتے ہیں، تمام کی تمام مخلوقات، تمام کے تمام اسباب اور تمام حالات کو اللہ تعالیٰ اس کی تربیت کے لئے اس کے موافق بنادیتے ہیں۔

(۱۱) دوسرا قصہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوئے ایک مرتبہ بازار کی طرف نکلے، دیکھا دو شخص لڑ رہے ہیں، ایک موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا دوسرا فرعون کی قوم کا، جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا تھا اس نے مدد کے لئے آپ کو پکارا، چونکہ آپ کے خیال میں قوم فرعون کا شخص ظالم تھا اس لئے انہوں نے اپنے ہم قوم کی فریادرسی اور امداد کو اپنا فرض سمجھا، اور ظالم کو ایک طمانچہ دے مارا، مارنے سے مقصد اس کو قتل کرنا ہرگز نہ تھا، بس اس سے اس مظلوم کی جان چھڑانا چاہتے تھے، مگر وہ شخص مرگیا، اس پہ سخت ندامت ہوئی، اور فوراً توبہ کی:

﴿قال هذا من عمل الشيطان انه عدو مضل مبين ۞ قال رب انى ظلمت نفسى فاغفرلى فغفر له انه هو الغفور الرحيم ۞ قال رب بما انعمت على فلن اكون ظهيرا للمجرمين ۞﴾

(۲۸ - ۱۵ تا ۱۷)

"کہنے لگے یہ شیطانی حرکت ہوگئی، بیشک شیطان کھلا دشمن ہے۔ عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھ سے قصور ہوگیا، آپ معاف کردیجئے، سو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا، بلاشبہ وہ بڑا غفور رحیم ہے، موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب چونکہ آپ نے مجھ پر بڑے بڑے انعامات فرمائے ہیں، سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا۔"

پہلے غلطی کا اقرار کیا، پھر توبہ و استغفار کیا، پھر آئندہ کے لئے محتاط رہنے کا وعدہ کیا۔

یہاں سے ایک سبق ملتا ہے وہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بظاہر اپنا فرض اداء کیا تھا، مظلوم کی فریاد رسی کی، ظالم کے پنجہ سے اسے چھڑایا، قتل مقصد نہ تھا، فرض کے اداء کرنے میں غیر اختیاری طور پر اس کی موت واقع ہوگئی جو پہلے سے مقدر تھی، اس میں توبہ و استغفار کی کوئی بات نہ تھی، اس لئے کہ جان بوجھ کر کوئی ظلم اور زیادتی نہیں کی، لیکن یہ سبق سکھادیا کہ اگر غیر اختیاری طور پر بھی کوئی نامناسب کام سرزد ہوجائے، خواہ اپنی رائے میں فرض ہی کیوں نہ اداء کر رہا ہو، اس پر بھی توبہ و استغفار کرنا چاہئے، توبہ و استغفار عقلاً بھی ضروری ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اجتناب اور بچاؤ کی جتنی کوشش اور جتنی احتیاط کر سکتا تھا، اتنی اس سے نہ ہو سکی ہو، گویا اس سے بھی زیادہ احتیاط ممکن تھی جو اس نے نہ کی، آج کے قانون میں بھی ایسے شخص کو معاف نہیں کیا جاتا جو بڑی احتیاط کے ساتھ گاڑی چلا رہا ہو لیکن اس سے کوئی حادثہ ہوجائے، اس لئے کہ جتنی احتیاط اس نے کی اس سے زیادہ احتیاط ممکن تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پریشانی میں رات گزاری، صبح ہوئی تو ڈرتے ڈرتے چھپتے پھر رہے ہیں، فرعون بڑا ظالم اور سنگدل ہے، اگر اسے معلوم ہوگیا کہ ہماری قوم کا شخص مارا گیا ہے تو کیا ہوگا؟ باہر نکلے تو دیکھا کل والا اسرائیلی آج ایک دوسرے قبطی سے لڑ رہا ہے اس نے آپ کو دیکھتے ہی مدد کے لئے پکارا، سوچا اچھا ہمدرد مل گیا ہے، لڑائی مول لیتے رہو، نہ پکارو، یہ آکر قصہ تمام کردے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ڈانٹا کہ روز روز کیوں لڑتا ہے؟ خواہ مخواہ کسی سے الجھنا بری بات ہے، یہ کہہ کر ظالم کو ظلم سے روکنے کے لئے ہاتھ بڑھایا، اسرائیلی کو چونکہ ڈانٹ پڑ چکی تھی اس لئے وہ یہی سمجھا کہ یہ مجھے سزا دینا چاہتے ہیں وہ فوراً چلایا، موسیٰ! تم بھی عجیب ہو، کل تم نے ایک شخص کو مار دیا آج مجھے مارنا چاہتے ہو، یہ بات چونکہ اس نے بھرے مجمع میں کہی تھی اس لئے تمام لوگوں کو پتہ چل گیا کہ کل والا قتل آپ ہی نے کیا تھا، اب اور زیادہ پریشان ہوئے، اب دیکھئے اللہ تعالیٰ کیسے امداد فرماتے ہیں؟ ایک

شخص بھاگا بھاگا آیا اس نے بتایا کہ فرعون کی مجلس شوریٰ میں آپ کے قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے، ظاہر ہے یہ شخص فرعون کا انتہائی مقرب اور رازدار ہوگا، جب ہی تو اسے فیصلہ کا اعلان ہونے سے قبل ہی معلوم ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں خیر خواہی اور ہمدردی کا جذبہ پیدا کیا، اس نے آپ کو مشورہ دیا کہ مصر سے باہر کہیں نکل جائیں، ورنہ قتل کر دیے جائیں گے، لیکن جائیں تو کہاں جائیں؟ راستوں سے ناواقف، شہروں اور ملکوں کے متعلق زیادہ معلومات نہیں، اور ویسے بھی جنگل کے راستوں میں کسی رہبر کی ضرورت ہوا کرتی تھی، اگر رہبر تلاش کرتے ہیں تو خود بھی پکڑے جائیں گے، اور پھر اگر رہبر مل بھی جائے تو اتنی اجرت کہاں جو اسے اداء کر سکیں، بس اتنا جانتے تھے کہ مدین فرعون کی حدود سلطنت سے باہر ہے۔

توکلاً علی اللہ مدین کا رخ کیا، اور ساتھ ساتھ دعاء بھی شروع کر دی کہ یا اللہ! مجھے ظالم قوم سے نجات دے اور مدین پہنچا دے، راہ منزل سے ناواقف تھے مگر اللہ تعالیٰ نے رہنمائی اور دستگیری فرمائی، اور مدین پہنچا دیا، وہاں پہنچے تو دیکھا کچھ لوگ اپنی بکریوں کو پانی پلا رہے ہیں، اور دو لڑکیاں اپنی بکریاں روکے ہوئے دور کھڑی ہیں، بکریوں کو روکنا بھی کارے دارد، بالخصوص اس وقت جب ان کے سامنے پانی بھی موجود ہو، آپ نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ سب پانی پلا رہے ہیں، تم کیوں نہیں پلاتیں؟

انہوں نے اپنے باہر نکلنے کی مجبوری بتائی کہ ہمارے ابا بڑھاپے کی وجہ سے نحیف و نزار ہیں، محنت و مشقت کے قابل نہیں رہے اس لئے مجبوراً ہمیں نکلنا پڑا ہے، اور یہ تمام غیر محرم مرد ہیں، ہم ان میں اختلاط نہیں کر سکتے، اس لئے جب یہ فارغ ہو جائیں گے تو ہم پلائیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام کو ان کی اس حالت پر رحم آیا، پانی کھینچ کر بکریوں کو پلا دیا، پھر ایک سایہ کے نیچے کھڑے ہو کر دعاء کی:

﴿رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر﴾ (۲۸-۲۴)

"اے میرے رب! جو نعمت بھی آپ مجھ کو بھیج دیں میں اس کا محتاج ہوں۔"

اپنے فقرو احتیاج کا اقرار اور عجز و نیاز کا اظہار کیا، انسان کو چاہئے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فقیر رہے غیر اللہ کا فقیر نہ بنے،

﴿یایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید﴾

(۳۵-۱۵)

"اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو، اور اللہ بے نیاز اور خوبیوں والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ جس کو خود کہہ دے کہ یہ میرا فقیر ہے تو پھر یہ فقیر بڑا نالائق ہوگا کہ ان کی فقیری چھوڑ کر دوسروں کی فقیری اختیار کرے، کتنی بڑی سعادت کتنا اونچا مقام ہے، کتنی خوشی اور مسرت کی بات ہے کہ اللہ کہہ دے تم میرے فقیر ہو، اور کتنی بد بختی، کم نصیبی اور کمینگی ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنا فقیر کہے اور یہ فقیر دوسرے دروازوں کی خاک چھانتا پھرے؟ اتنے بڑے دروازہ کو چھوڑ کر انسان دوسرے دروازہ پر جھکے، واقعی بڑی بے غیرتی کی بات ہے، اللہ تعالیٰ توکل عطاء فرمائے اور ہمیں اپنا فقیر بنائے، آمین

ان لڑکیوں نے گھر جا کر اپنے ابا حضرت شعیب علیہ السلام کو بتایا کہ آج ہماری بکریوں کو کسی نے پانی پلا دیا، شعیب علیہ السلام نے فرمایا یہ کون اللہ کا نیک بندہ آگیا؟ اسے بلا کر لاؤ، ایک بچی شرم و حیاء کی چال چلتی ہوئی گئی، اور بلا لائی۔

"یا اللہ! تو نے اس صاحبزادی کے دل میں حیاء کی جو دولت ودیعت رکھی تھی آج کی خواتین کو بھی عطاء فرما۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساری سرگزشت حضرت شعیب علیہ السلام کو سنادی، انہوں نے تسلی دی اور فرمایا:

﴿لا تخف نجوت من القوم الظلمین﴾ (۲۸-۲۵)

"اندیشہ نہ کرو تم ظالم قوم سے بچ آئے۔"

اب ایک صاحبزادی کہتی ہیں: "ابا! بکریاں چرانے کے لئے ان کو ملازم رکھ لیں یہ قوی اور امین ہیں۔"

نوکر میں دو صفات کا ہونا ضروری ہے، ایک تو یہ کہ قوی ہو دوسری یہ کہ امین ہو، صاحبزادی نے دیکھنے سے قوت کا اندازہ لگایا ہوگا کہ قد وقامت اور ظاہری صحت اچھی ہے، ڈول کھینچنے میں طاقت کا اندازہ لگالیا ہوگا، جس کے طمانچہ سے قبطی مرجائے وہ ڈول کس قوت اور تیزی سے کھینچتا ہوگا، غرض یہ کہ قوت کا اندازہ لگانا تو سہل ہے، مگر صاحبزادی نے اتنی جلدی امانتداری کا اندازہ کیسے کرلیا؟ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ عقلمند اور صاحب بصیرت و فراست کو نیک انسان کی نشانیاں اور علامات اس کے چہرے مہرے اور چال ڈھال ہی سے نظر آجاتی ہیں:

﴿اذا رؤوا ذکر اللہ﴾

"اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو دیکھنے سے اللہ یاد آجاتا ہے۔"

نور حق ظاہر بود اندر ولی
نیک بین باشی اگر صاحب دلی

"اولیاء اللہ میں نور حق ظاہر ہوتا ہے، تجھے خوب نظر آئے گا بشرطیکہ تو صاحب دل ہو۔"

سب کو نظر نہیں آتا، ابو جہل اور ابولہب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور نظر نہ آیا، دیکھنے والے میں بصیرت اور اس کے دل میں نور ہو تو اس کو ولی کا نور نظر آتا ہے۔ یہاں دیکھنے والی کون تھیں؟ حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مقرب بندی تھیں، اور یہ بھی نبی بننے والے تھے، دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ امین ہیں۔ اور بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ صاحبزادی کو امین ہونے [illegible] علم ہو [illegible] کہ موسیٰ

علیہ السلام کو جب انہوں نے بلایا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے راستہ بتادو میں آگے آگے چلوں گا تم پیچھے پیچھے آنا، یہ اس لئے کیا کہ اگر عورت آگے اور مرد پیچھے ہو تو غیر اختیاری طور پر اس کے جسم اور چال ڈھال پر نظر پڑے گی. اس لئے آپ نے احتیاط اور نظر کی حفاظت اسی میں سمجھی کہ خود آگے چلیں، اور وہ عفیفہ پیچھے، آپ کی اس احتیاط اور تورع سے صاحبزادی سمجھ گئیں، کہ بڑا امین ہے جس کی آنکھ خیانت نہیں کرتی اس کا دل بھی خیانت نہیں کر سکتا، اس لئے انہوں نے آپ کے امین ہونے کی گواہی دی۔

موسیٰ علیہ السلام کی ان دو صفات یعنی قوت و امانت کی وجہ سے حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو ملازم رکھ لیا، موسیٰ علیہ السلام کو جائے رہائش اور معاش کی ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی. نہ ایجنٹ کا بوجھ اٹھانا پڑا، نہ ایجنسیوں کے چکر لگانے پڑے، اللہ تعالیٰ نے کتنی دور سے آپ کو لاکر یہاں جوڑ ملا دیا، اور شعیب علیہ السلام کو بڑھاپے کی وجہ سے معاون کی ضرورت تھی، وہ ضرورت بھی پوری ہوگئی اور شعیب علیہ السلام نے آپ سے صاحبزادی کی شادی بھی کردی۔

ملازمت ملی، راحت ملی، ٹھکانہ ملا، ذریعہ معاش ملا، نہایت صالحہ رفیقہ حیات ملیں، اور واپس جاتے جاتے راستہ ہی میں نبوت بھی مل گئی، سارے کام اللہ تعالیٰ نے کردیئے، سارے دروازے کھول دیئے اس لئے کہ جتنا ان کے اختیار میں تھا، وہ انہوں نے کیا، قدم اٹھانے سے گریز نہیں کیا اور انجام اللہ پر چھوڑ دیا، یہ سارا قصہ میں نے اسی مقصد کے لئے بتایا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کرنا چاہئے، اس کو راضی کرنے کی فکر اور لگن ضرور ہو لیکن توکل کرنے اور راضی کرنے کی فکر میں لگنے کے بعد یہ نہ سمجھے کہ اب کاہل بن کر بیٹھے رہو، سارے کام خود بخود ہوتے جائیں گے، بلکہ اپنے اختیار کو استعمال کرے صلاحیتوں کو جو کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطاء فرمودہ ہیں، کام میں لائے، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اختیار کو استعمال فرمایا، موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنا اختیار استعمال فرمایا، اگر وہ بچہ کو گھر ہی میں پڑا رہنے دیتیں کہ اللہ

تعالیٰ کو بچانا منظور ہوا تو بچ جائے گا تو یہ مرضی مولیٰ کے خلاف ہوتا، صندوق میں بند کر کے ڈال دینا ان کے اختیار میں تھا، وہ انہوں نے کر دیا، یاد رکھیں توکل تو یہ ہے ۔

بر توکل زانوئے اشتر بند

اونٹ پر اگر آپ کہیں جاتے ہیں اور اسے توکلاً کھلا چھوڑ دیتے ہیں تو آپ خطا کار ہوں گے، توکل یہ ہے کہ آپ اسے باندھیں پھر توکل کریں، کوئی گھر میں رات کو تالا نہ لگائے دروازہ کھلا چھوڑ دے تو یہ غلط ہوگا، چوری نہ بھی ہوئی تو بھی خطا وار سمجھا جائے گا، کہ اپنی حفاظت کا سامان کیوں نہ کیا۔

⑫ موسیٰ و خضر علیہما السلام:

اس قصہ میں اشکال ہے کہ رسول سب سے زیادہ عالم ہوتا ہے، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا حکم دیا گیا کہ ان کو ہم نے ایسا علم دیا ہے جو صرف انہی کے پاس ہے اور کسی کو وہ علم حاصل نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خضر علیہ السلام کا علم موسیٰ علیہ السلام کے علم سے زیادہ تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ علم دو قسم کا ہے، علم شریعت اور علم تکوینیات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم شریعت سے نوازا گیا تھا، اور اس میں کوئی دوسرا ان کا ہم پلہ نہ تھا، حضرت خضر علیہ السلام کے پاس بھی اگرچہ علم شریعت تھا مگر بقدر ضرورت، باقی تکوینی علم تھا، ایسا علم کہ دور کی چیز قریب نظر آئے، مکان کے لحاظ سے جو چیز دور ہے، وہ ان کو بیٹھے بٹھائے وہیں سے نظر آجاتی یا زمان کے لحاظ سے جو چیز دور ہے یعنی ابھی واقع نہیں ہوئی وہ قبل از وقوع ہی ان کو نظر آگئی، عام لوگ اس علم کو بڑی اہمیت اور فضیلت دیتے ہیں، حالانکہ اس علم میں انسان کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، ایسا علم جس سے آئندہ کے واقعات معلوم ہو جائیں حیوانات کو بھی ہو جاتا ہے۔

ایک اشکال اور ہوتا ہے وہ یہ کہ شریعت علم اسے کہتی ہے جس کا تعلق براہ راست یا

بالواسطہ دینی بہبود اور اخروی فلاح سے ہو، اور جس علم سے نجات اخرویہ یا دینی اصلاح حاصل نہ ہو اس کو شریعت علم نہیں کہتی، اور حضرت خضر علیہ السلام کو جو علم ملا تھا وہ علم شریعت اور علم دین تو نہ تھا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کو علم فرمایا ہے، دنیوی علم کو علم کیوں فرمایا؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ دینی علم نہ تھا مگر چونکہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ خضر علیہ السلام سے دنیا کے انتظام و انصرام میں خصوصی کام لے رہے تھے، اس کی اسی شرافت و اہمیت کی وجہ سے اسے علم فرمادیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی، تعارف ہوا، انہیں بتایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے، انہوں نے فرمایا آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکتے، اس لئے کہ میں ایسے کام کروں گا جن کے بارے میں آپ کو علم نہ ہوگا، آپ ان کو بظاہر شریعت کے خلاف سمجھ کر اعتراض کریں گے اور صبر نہیں کرسکیں گے، آپ نے نہایت مؤکد وعدہ کیا کہ صبر کروں گا، اس وعدہ کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے اس شرط پر ساتھ رہنے کی اجازت دی کہ میں جو کچھ بھی کروں بظاہر شریعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، آپ خاموش رہیں گے، اور اس پر نکیر ہرگز نہ کریں گے، آپ نے اس شرط کو قبول فرمالیا۔

اس قصہ سے جاہل اور ملحد پیروں نے تین گمراہیاں نکالی ہیں:

❶ شریعت اور طریقت دو الگ چیزیں ہیں۔

❷ علم طریقت علم شریعت سے افضل ہے، اسی لئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا حکم دیا گیا۔

❸ اولیاء اللہ شریعت کے پابند نہیں، احکام شرع کے خلاف بھی کرسکتے ہیں، جیسے کہ حضرت خضر علیہ السلام کر رہے تھے۔

یہ باتیں جہالت، کفر اور الحاد و زندقہ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ شریعت کے دو شعبے ہیں:

❶ اعمال ظاہرہ سے متعلق

❷ اعمال باطنہ سے متعلق

اس سے ثابت ہوا کہ اصلاح باطن شریعت سے الگ نہیں بلکہ شریعت کا ایک جزء ہے، اور جزء کل سے افضل نہیں ہو سکتا۔

حضرت خضر علیہ السلام بھی نبی تھے اور ان کی نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی تابع نہ تھی، حضرت خضر علیہ السلام جو کچھ بھی کر رہے تھے، وحی الٰہی سے کر رہے تھے، ان کی طرف ہونے والی وحی میں بعض احکام کے ساتھ جو ان کی حکمتیں بتائی گئی تھیں، ان کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم نہ تھا، اس لئے حکمت معلوم کرنے کی غرض سے آپ نے اشکالات پیش فرمائے، یہ اشکالات بغرض اعتراض نہ تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام حکم الٰہی سے آئے تھے اس لئے انہیں ان افعال کے خلاف شرع ہونے کا شبہہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔

آپس میں وعدہ کرنے کہ بعد دونوں آگے چلے، سامنے دریا تھا، کشتی والوں نے دونوں حضرات سے کرایہ لینے سے انکار کر دیا، راستہ میں حضرت خضر علیہ السلام نے کلہاڑا اٹھا کر کشتی پر مارا اور ایک تختہ توڑ ڈالا، یہ سارا معاملہ ہی عام عادات اور معاملات کے خلاف تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام بولے، انہوں نے ہم پر احسان کیا اور بلا کرایہ کشتی پر بٹھالیا، ان کے احسان کا بدلہ تو یہ تھا کہ ہم بھی ان پر کوئی احسان کرتے یا کم از کم ظلم تو نہ کرتے، آپ نے ان کے احسان کا بدلہ یہ دیا ہے کہ کشتی جو کہ ان کا واحد ذریعہ معاش ہے اسے توڑ ڈالا، یہ مسکین لوگ کیا کریں گے؟

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ صبر نہیں کر سکیں گے، پھر بعد میں اس کی توجیہ یہ بیان فرمائی کہ کچھ آگے ایک بادشاہ ہے وہ باج گزاری یا ظلم کے طریقہ پر ہر آنے والی کشتی پر قبضہ جما رہا ہے، یہ لوگ مسکین اور قلاش ہیں، یہی

کشتی ان کا ذریعہ معاش ہے اور بس، اس لئے میں نے اسے عیب دار کر دیا ہے، کیونکہ بادشاہ کو صحیح سالم کشتی چاہئے جب کہ یہ عیب دار ہے، اس طرح سے یہ اس کے قبضہ میں جانے سے بچ جائے گی، بعد میں یہ لوگ اس کی مرمت کرلیں گے، ایک تختہ لگانے میں خرچہ ہی کیا آئے گا؟

یہاں تھوڑی دیر کے لئے رک جائیں اور غور فرمائیں کہ ان لوگوں نے اللہ کے دو مقرب بندوں پر احسان کیا، چونکہ اللہ کے مخصوص بندوں کے ساتھ اظہار محبت خود نیک عمل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کے ساتھ اظہار محبت کرنے والوں کے لئے عجیب عجیب اسباب پیدا فرمادیئے، اسی سے اندازہ کرلیجئے کہ خود جس کے قلب میں اللہ کی محبت ہو اس کے لئے کیا کیا اسباب پیدا فرمائیں گے، ان مساکین کی کشتی کی حفاظت کے لئے کہاں سے موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا، کیسے خضر علیہ السلام سے ملایا، وہ سفر کرتے ہوئے کیسے یہاں پہنچے، اور کشتی کا تختہ توڑا، وہ یہاں نہ پہنچتے تو کشتی کی حفاظت کا سامان اور پیش آنے والے خطرہ کا احساس کیسے ہوتا؟ انسان سوچے تو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کے مسبب الاسباب ہونے پر یقین میں ترقی ہوتی ہے۔

خضر علیہ السلام کی باز پرس ہونے کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کیا کہ اب کے نہ بولوں گا، آگے چلے، ایک نابالغ لڑکا ملا، حضرت خضر علیہ السلام نے سر پر ہاتھ ڈالا اور دھڑ سے جدا کر کے رکھ دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر اعتراض کیا کہ اس نابالغ کو کیوں قتل کیا؟ انہوں نے کہا ہم نے نہیں کہا تھا کہ آپ صبر نہ کر سکیں گے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھ سے بار بار غلطی ہو جاتی ہے، اگر تیسری بار پھر کروں تو آپ مجھے الگ کردیں۔

دو اللہ والوں کے اتفاق سے ایک اصول ملا، وہ یہ کہ ماتحتوں سے اگر غلطی ہو جائے تو دو بار معاف کر دو مگر تیسری بار کچھ کھنچائی ہو جانی چاہئے، یہی اصول اپنے لئے بنالیجئے، دو دفعہ گناہ ہو جائے استغفار کرلیں، اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگیں، شرور نفس سے حفاظت

کی استقامت اور اپنے کو قابو میں رکھنے کی، لیکن اگر تیسری مرتبہ نفس غلطی کرے تو سزا دیجئے اس طرح نفس تابع ہو جائے گا۔

اس دوسرے معاملے میں حضرت خضر علیہ السلام نے یہ حکمت بیان فرمائی کہ اس بچہ کے والدین نیک ہیں، اور اس بچہ سے ان کو محبت بھی ہے لیکن یہ بڑا ہو کر فاسق و فاجر بنتا، لادینیت اور الحاد کا راستہ اختیار کرتا خطرہ تھا کہ کہیں والدین بھی اس کی محبت میں دین سے محروم نہ ہو جائیں اس کے ساتھ رشتہ اولاد کی بناء پر اسی کا راستہ لے کر جہنم کا ایندھن نہ بن جائیں، اس لئے والدین کی اور خود اس کی بہتری اسی میں تھی کہ اسے ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ بالغ ہو کر فسق و فجور کرتا تو جہنم میں جاتا، ابھی پاک ہی چلا گیا۔

والدین میں چونکہ تقویٰ تھا، فکر آخرت تھی، تعلق مع اللہ تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دستگیری ہوئی کہ وہ ضلالت و گمراہی اور کجروی سے بچ جائیں، عذاب آخرت اور دوزخ سے نجات پا جائیں، غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کے لئے کہاں سے اسباب پیدا فرما دیئے اور اپنے مقرب بندوں کو بھیج دیا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے بچہ کو قتل کرنے کے بعد فرمایا، اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ والدین کو ایسی اولاد عطاء فرمائیں گے جو ہر لحاظ سے بہتر ہوگی، اور ساتھ ساتھ والدین کی فرمانبردار، ان کے لئے باعث سکون و راحت ہوگی، حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ برکت عطاء فرمائی کہ ستر انبیاء علیہم السلام اس کے بطن سے پیدا ہوئے۔

یہاں بھی وہی بات ہے جس کا مضمون چل رہا ہے کہ لڑکا ان کے لئے مضر تھا، اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرما دیئے کہ وہ اس کے ضرر سے بچ گئے، لڑکی مفید تھی، کیسی مفید؟ کہ ایک سلسلہ نبوت اللہ تعالیٰ نے چلا دیا، اسے ذخیرہ آخرت اور صدقہ جاریہ بننے کا سبب پیدا فرما دیا۔

اصل بات وہی ہے:

﴿ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا﴾ (۶۵-۲)

تقویٰ اختیار کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے والوں پر ایسی ایسی رحمتیں ہوتی ہیں۔

آگے چلے، ایک گاؤں میں پہنچے، گاؤں والوں سے کھانا کھلانے کو کہا، انہوں نے انکار کردیا، ایسے نالائق لوگ تھے کہ ایسی مقرب ہستیوں کے کھانا طلب کرنے پر بھی ان کو کھانا نہ کھلایا۔

اس بستی میں انہوں نے ایک دیوار کو دیکھا کہ بوسیدہ اور گرنے والی ہے، حضرت خضر علیہ السلام نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا، وہ سیدھی ہوگئی، اب اگر ہم اور آپ گرتی دیوار کو دھکا دے کر سیدھی کرنا چاہیں تو اگر نہ بھی گر رہی ہو تو گر جائے گی، بس اللہ تعالیٰ کو ان سے یہ کام لینا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر نہ رہا گیا، فرمایا جن لوگوں نے کھانا تک نہ کھلایا، اللہ کے دو مقبول بندے خود آکر کہہ رہے ہیں تو بھی نہیں پوچھتے، ایسے نالائق، ان کا کام آپ نے کیوں کردیا؟ وہ بھی بلا اجرت۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا، اب آپ ہی کے اصول کے مطابق جدائی ہے، آپ نے خود ہی فرمایا تھا تیسری بار کہوں تو الگ کردینا، اب جاتے جاتے ان کی مصلحتیں بھی سنتے جایئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے اگر خاموش رہتے صبر کرتے تو واللہ اعلم کتنے قصے اور ہمارے علم میں آجاتے، یہ تو تین پر ہی جدائی ہوگئی، خاموش رہتے تو نہ معلوم کتنے واقعات پیش آتے، پھر حضرت خضر علیہ السلام ان کی مصلحتیں بھی بیان فرماتے، مگر جو کچھ معلوم ہوگیا ان سے عبرت حاصل کرنا چاہئے، کافی ہیں، اللہ تعالیٰ چشم بصیرت عطاء فرمائیں، تیسرے قصہ میں کیا مصلحت بیان فرمائی، وہ یہ کہ دیوار کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ ہے، ان کے والد نے دفن کردیا تھا، پھر والد کا انتقال ہوگیا، اگر یہ دیوار گرجاتی تو خزانہ

ظاہر ہو جاتا، لوگ لے جاتے، اللہ تعالیٰ نے ان کے مال کی حفاظت اس لئے فرمائی:

﴿وکان ابوھما صالحا﴾ (۱۸-۸۲)

"ان کا باپ نیک تھا۔"

یہ بات خاص طور پر ہے کہ والد کے نیک ہونے کی بناء پر حفاظت کی گئی، کیا ثابت ہوا؟ جو اللہ سے ڈرتا ہے، فکر آخرت کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرتا ہے وہ صرف اس کے مال کی حفاظت نہیں بلکہ اس کی اولاد کے مال کی بھی حفاظت فرماتے ہیں، اسباب جمع ہو جاتے ہیں، والد کی صلاحیت، اس کے تقویٰ کا اثر دیکھئے کہاں ظاہر ہو رہا ہے، وہ حضرات کہاں کہاں سے چل کر آتے ہیں، بستی میں پہنچتے ہیں، دیوار سیدھی کر دیتے ہیں، عام طور پر دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ والدین کی نیکی کا ثمرہ اولاد دنیا میں پاتی ہے مگر اس کی قدر نہیں کرتی، وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہمیں یہ جو کچھ ملا ہے والد کی نیکی کی وجہ سے ملا ہے، اس سے غافل رہتے ہیں، والد کی صلاحیت کی وجہ سے جو نعمتیں ملتی ہیں کبھی تو اس طرح کہ والد ہی کا چھوڑا ہوا سرمایہ مل گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت فرمائی، اس میں برکت عطاء فرمائی، کبھی یوں ہوتا ہے کہ والد نے تربیت صحیح کی اس سے کماتے رہتے ہیں اور کبھی یہ نہیں سوچتے کہ اس میں والد کی تربیت کا اثر ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں ہی کما رہا ہوں، والد بوڑھا ہو گیا اسے کہیں بھیج دو، وہ اپنی صلاحیتوں کو اپنی ہی ذاتی صلاحیتیں سمجھتا ہے، تیسری بات یہ کہ بعض اوقات والد کی نیک دعائیں ساتھ ہوتی ہیں، آخرت کے لئے بھی دنیا کے لئے بھی، لیکن اولاد کو یہ احساس نہیں کہ یہ ہم کس کی دعاؤں سے اتنی ترقی کر رہے ہیں، اگر یہ بات سمجھ لیں کہ یہ ہمارے والد کی صلاحیت کا نتیجہ ہے تو خود بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں اسے یاد کرتے رہیں، ورنہ جس نے یہ نعمتیں عطاء فرمائی ہیں، وہ سلب کرنے پر بھی قادر ہے۔

قصہ یہ چل رہا تھا کہ والد کی صلاحیت سے اولاد کو رزق ملتا ہے، مگر عام طور پر اولاد نالائق ہوتی ہے اسے یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ والدین کی صلاحیت کا نتیجہ ہے،

اس قصہ میں حضرت خضر علیہ السلام کے الفاظ میں ایک نکتہ ہے، کشتی والا قصہ بظاہر خراب تھا گو باطن میں اللہ تعالیٰ کا حکم تھا، لیکن ظاہر میں نقصان کی بات تھی اسے اپنی طرف منسوب فرمایا:

﴿فاردت ان اعیبھا﴾ (۱۸-۷۹)

"میں نے اسے عیب دار کر دیا"

بچہ کا قتل بھی بظاہر اچھا نہ تھا، اسے بھی اپنی طرف منسوب کیا، کہ ہم نے مصلحت سے ایسا کیا، لیکن دیوار سیدھی کر دینا اس کا ظاہر بھی اچھا باطن بھی اچھا، اسے اپنی طرف منسوب نہیں فرمارہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت فرماکر اس میں ایک ادب کی بات سکھادی کہ کام اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہے، شریعت ہی کا ہے، ضروری اور فرض ہے، مگر ظاہر نظر میں خراب معلوم ہوتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔

(۱۴) حضرت سلیمان علیہ السلام:

قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ ہے، آپ نے جہاد کی نیت سے گھوڑوں کی اعلیٰ اور نئی نسل تیار فرمائی، جب وہ بڑے ہوگئے تو ان کے معاینہ کے لئے تشریف لائے، جہاد کی نیت سے گھوڑوں کی پرورش، ان کی دیکھ بھال اور ان کا معاینہ سب جہاد میں داخل ہیں، لیکن ان کے معاینہ میں کچھ ایسے مشغول ہوگئے کہ غروب آفتاب سے پہلے ایک معمول تھا وہ قضاء ہوگیا، اگرچہ گھوڑوں کی نگہداشت اور دیکھ بھال ثواب ہی کا کام تھا، لیکن نیک لوگ اور مقربین الاھم فالاھم کے اصول پر عمل کیا کرتے ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ زیادہ اہم کونسا کام ہے، اس کی خاطر غیر اہم کو چھوڑ دیتے یا مؤخر کر دیتے ہیں، حضرت سلیمان علیہ السلام کا غروب آفتاب سے پہلے جو معمول تھا وہ ان کے نزدیک زیادہ اہم تھا، اس لئے اس کا دکھ ہوا۔

علاوہ ازیں جن معمولات کا وقت متعین ہو، ان کا وقت گزر جائے تو وہ قضاء ہو جاتے ہیں، اور جن کا وقت متعین نہ ہو، وہ ہر وقت اداء کیے جا سکتے ہیں، گھوڑوں کا معاینہ دوسرے وقت بھی ہو سکتا تھا، لیکن اس معمول کا وقت متعین تھا، اس لئے آپ کو شدید قلق ہوا کہ اس مشغولیت کی وجہ سے ایک معمول رہ گیا، اسی قلق اور افسوس کی وجہ سے تمام گھوڑے ذبح کر ڈالے، اس معمول کا قضاء ہونا منجانب اللہ تھا، اس لئے کہ اس میں قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے مرض حب مال کا نسخہ اکسیر ہے چنانچہ اطباء باطن حب مال کے لاعلاج مریضوں کو یہی نسخہ استعمال کرواتے ہیں۔

سلیمان علیہ السلام مرغوبات کی قربانی کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے تو نعمتوں سے مالامال کر دیئے گئے، ہوا کو ان کے تابع کر دیا گیا:

﴿فسخرنا له الريح تجري بامره رخاء حيث اصاب﴾

(۳۸-۳۶)

"ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے نرمی سے چلتی۔"

ہوا کو اس طور پر مسخر فرما دیا کہ گھنٹوں اور دنوں کا سفر منٹوں میں طے ہو جاتا تھا، لیکن دھچکے نہیں لگتے تھے، دم نہیں گھٹتا تھا، شور نہیں تھا کہ کانوں کے پردے پھٹنے لگیں، آج سائنس نے بڑی ترقی کر لی ہے لیکن اس کے باوجود ہوائی سفر پر خطر ہے، طیاروں کی گھڑگھڑاہٹ اور تیز آواز پریشان کر دیتی ہے، دم گھٹتا ہے تو آکسیجن لینا پڑتی ہے، ہوا کے کنوؤں میں کبھی نیچے کبھی اوپر، اور ان سب کے ساتھ ساتھ خطرات قدم قدم پر ہیں، لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہوائی سفر میں یہ پریشانیاں اور خطرات نہیں تھے۔

مرغوبات کی قربانی سے دوسری نعمت یہ ملی کہ جنات کو آپ کے تابع فرما دیا بعض غوطے لگاتے اور سمندر سے مختلف اشیاء نکالتے، بعض تعمیراتی کاموں میں ہمہ تن

منہمک، بعض دوسری خدمات اور احکام کی بجاآوری میں مصروف، اور رعب اتنا کہ جنات آج تک سلیمان علیہ السلام کے نام سے ڈرتے ہیں۔

ایک لڑکی پر جنات کا اثر ہوگیا، اس کے عزیزوں نے فون پر اطلاع دی، میرے پاس اتنا وقت تو تھا نہیں کہ میں خود جاتا میں نے کہا، فون پر ہی بات کروادیں، ابھی میں نے بات شروع ہی کی تھی کہ وہ سلیمان علیہ السلام کی قسمیں کھاکر کہنے لگے کہ ہم جارہے ہیں، میں نے سوچا کہ تھوڑی دیر ٹھہر جاتے تو انہیں سمجھاتا کہ غیر اللہ کی قسمیں اٹھانا شرک ہے۔ دوسری نصیحت یہ کرتا کہ ظلم مت کرو۔

سلیمان علیہ السلام کا جنات پر رعب اور ہیبت کا اندازہ آپ اس سے لگاسکتے ہیں کہ عمر کے آخری دور میں آپ ان سے ایک شہر کی تعمیر کروارہے تھے، جنات تعمیر میں لگے ہوئے تھے اور آپ لکڑی پر ٹیک لگائے نگرانی فرمارہے تھے، اسی حالت میں انتقال ہوگیا، ان کو خبر نہ ہوئی اور وہ مسلسل کام میں لگے رہے، یہاں تک کہ لاٹھی دیمک لگنے سے کھوکھلی ہوگئی اور گرگئی اب ان کو معلوم ہوا کہ وہ یونہی مصیبت میں پڑے رہے، آپ تو کب کے دنیا سے رخصت ہوچکے، اور خود ہی کہنے لگے کہ اگر ہم غیب کا علم رکھتے تو اتنی مشقت نہ اٹھاتے۔

یہ رعب و دبدبہ اور ہیبت، حکومت و سیادت، ثروت و فراوانی، سکون اور آرام، پرندوں ور جنات پر فرماں روائی کیوں ملی؟ اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور اس کے تعلق پر تمام تعلقات کو قربان کرنے سے۔

(۱۴) حضرت زکریا علیہ السلام:

پہلے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قصہ بتایا تھا کہ بے موسم رزق تناول فرمارہی تھیں۔ ایسے ایسے پھل جن کا موسم نہیں اور لاکر دینے والا بھی کوئی نہیں، اس حالت کو دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام نے دعاء کی، یا اللہ! تو بلا سبب کے کارساز ہے،

مریم کو رزق مل رہا ہے، دو طریقے سے وہاں بلا سبب کام بن رہا ہے، ایک تو پھلوں کا موسم نہیں دوسرے کوئی لانے والا نہیں۔

یا اللہ! میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے، سبب کوئی موجود نہیں، نہ بیوی میں صلاحیت اور نہ ہی شوہر میں۔ یا اللہ! مریم کو بلا سبب رزق مل رہا ہے، ہمیں بھی بلا سبب اولاد عطاء فرمادے، تو تو قادر مطلق ہے دعاء قبول ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے بلا سبب بیٹا عطاء فرمادیا حضرت یحییٰ علیہ السلام۔

(۱۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے قتل کرنا چاہا، اور منصوبہ تیار ہوگیا کہ سولی چڑھانا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے تعلق کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے حفاظت کی صورت پیدا فرمادی، انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو ایک مکان میں محصور کردیا تھا کہ اس سے نکال کر سولی چڑھائیں گے، اللہ تعالیٰ کی رحمت نے یوں دستگیری فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو تو زندہ سلامت آسمان پر اٹھالیا، یہودیوں کا سردار جب اندر داخل ہوا تو اس کی شکل و صورت بالکل عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بنادی، اب اسے پکڑ کر سولی چڑھا رہے ہیں، وہ چیخ رہا ہے، چلا رہا ہے کہ میں تم ہی میں سے ہوں اور تمہارا بڑا سردار ہوں، چھوڑ دو، لیکن وہ کہاں سنتے، اس کا صفایا کردیا، اللہ تعالیٰ سے تعلق کا یہ نتیجہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو صرف بچایا ہی نہیں بلکہ اپنے پاس بلا لیا زندہ ہی، بڑے آرام و راحت سے رو رہے ہیں، اور جو تکلیف پہنچانا چاہتے تھے، انہیں ذلیل و رسوا کردیا، اپنا سردار انہوں نے سولی پر چڑھادیا۔

(۱۶) حضرت طالوت:

طالوت کے لشکر کا قصہ قرآن میں ہے، حضرت طالوت اپنا لشکر لے کر جالوت کافر

بادشاہ کے مقابلہ میں نکلے، اور اپنی فوج سے یہ فرمایا کہ آگے ایک دریا ہے تمہیں پیاس لگے گی مگر پانی نہیں پینا، جو شخص پانی پیئے گا وہ میری جماعت سے خارج ہے۔ پیاس پر صبر کرنا، ہاں ایک دو چلو کی اجازت ہے۔ بہت سے لوگوں نے وہاں سے پانی پی لیا، جن لوگوں نے پانی نہیں پیا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی، صبر کر لیا تھوڑی کی دیر کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ... فرمائی کہ پیاس خود بخود بجھ گئی ذرا سا پانی لینے سے یا بالکل نہ پینے کے باوجود۔ بھوک پیاس بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی منتظر رہتی ہیں۔ جس کے لئے حکم ہو جائے فلاں پر مسلط ہو جاؤ تو خوب لگے۔ اور جسے حکم ہو جائے کہ اسے کچھ نہیں کہنا اسے کچھ بھی پیاس بھوک نہ لگے۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، نافرمانی سے بچے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا پیاس کو کہ ٹھنڈک سے بدل جا، سیرابی سے بدل جا، خوب ان کو سیرابی ہو گئی۔ پیاس زائل ہو گئی۔ جن لوگوں نے پانی پی لیا ان کے بارے میں حکم ہوا کہ ان پر مسلط ہو جا۔ اب بہت پیاس بہت پیاس کر کے پیتے جا رہے ہیں۔ پیٹ پھٹے جا رہے ہیں مگر پیاس میں اور زیادہ شدت پیدا ہو رہی ہے۔

یہ قصہ بتانے سے مقصد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ راحت و سکون کے اسباب پیدا فرما دیتے ہیں، اور جو اطاعت نہیں کرتا گناہ کرتا ہے، نافرمانی کرتا ہے، مالک کو ناراض کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسباب کے ہوتے ہوئے بھی اس کو سکون و راحت سے محروم رکھتے ہیں۔ پانی پیاس بجھانے کا سبب موجود ہے۔ پی رہے ہیں مگر پیاس نہیں بجھ رہی۔

اس قصہ سے ایک عبرت اور بھی حاصل ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ ہم ذرا سا گناہ کر لیں، کچھ اطمینان ہو جائے گا، اس کے بعد چھوڑ دیں گے، نفس بہت پریشان ہو رہا ہے، گناہ کا بہت تقاضا ہو رہا ہے، تھوڑا سا کر لیں پھر چھوڑ دیں گے جب کچھ اطمینان ہو جائے گا۔ تمام گناہوں کے بارے میں یہی خیال کیا جاتا ہے، حرام کی

آمدن ہے، آج کل ذرا سی تنگدستی چل رہی ہے، تھوڑا سا کھالیں پھر چھوڑ دیں گے۔ پریشانی میں مبتلا ہیں، ذرا بینک کی ملازمت تھوڑے دنوں اختیار کرلیں پھر چھوڑ دیں گے، رشوت چند دن لے لیں، پھر چھوڑ دیں گے، تھوڑے دن چوری کرلیں، دوسرے کا مال دبالیں، پھر جب حالات صحیح ہوجائیں گے چھوڑ دیں گے۔ ذرا طبیعت میں پریشانی ہورہی ہے ذرا سا فلاں گناہ کرلیں، پھر جب دل بھر جائے گا تو اس گناہ کو چھوڑ دیں گے۔

بیماری اور دوسری پریشانیوں میں ٹی وی کی لعنت سے دل بہلاتے ہیں:

اس پر بھی اس قصہ میں تنبیہ ہے کہ جو یہ سمجھتے ہیں کہ گناہ کرنے سے دل بھر جائے گا، غلط ہے، گناہ کرنے سے گناہ کی ہوس بڑھتی ہے، کم نہیں ہوتی، صبر کرلے تو ذرا سی تکلیف تھوڑی دیر کے لئے محسوس ہوگی، اس کے بعد وہ تکلیف اللہ کی رحمت سے بدل جائے گی، ختم ہوجائے گی، اور اگر صبر نہیں کرتا گناہ کرلیتا ہے تو پھر اس گناہ کی پیاس بجھتی نہیں بلکہ زیادہ ہوکر لگتی ہے، اور گناہ کیا تو اور زیادہ ہوس بڑھے گی ۔

النفس کالطفل ان تمهله شب علی
حب الرضاع وان تفطمه ينفطم

”نفس کی مثال دودھ پیتے بچہ کی سی ہے، دودھ چھڑوائیں گے تو چیخے گا، چلائے گا، ایک دو دن کے بعد ٹھیک ہوجائے گا، اور اگر سوچا کہ نہیں، پلادو، بے آرام ہورہا ہے، دوسروں کو بھی بے آرام کررہا ہے، پریشان کررہا ہے، پلاتے چلے جاؤ تو جوان ہوجائے گا مگر ماں کا دودھ نہیں چھوڑے گا۔“

گناہوں کا قصہ بھی یہی ہے کہ گناہوں کا تقاضا پیدا ہو ذرا صبر کیجئے، جب آپ نے صبر کیا تو:

﴿ان اللہ مع الصبرین﴾ [۲-۱۵۳]

"خوب سمجھ لو! جو لوگ صبر کرتے ہیں ہم ان کے ساتھ ہیں، ہم ان کی دستگیری کرتے ہیں۔"

کچھ صبر کرنے کا طے کرلو، ارادہ تو کرو صابرین کی فہرست میں داخل ہونے کا، ہم مددگار ہیں، اب اگر یہ ارادہ ہی نہیں کرتا، کوئی توجہ نہیں دیتا تو پھر ظاہر ہے کہ جیسے جیسے یہ نسخہ استعمال کرے گا گناہ کرنے سے ہوس کم تو نہیں ہوگی بڑھے گی، گدھے کی دم کے نیچے کانٹا لگ گیا، وہ اس کا علاج یوں کرتا ہے کہ زور زور سے دم لگاتا ہے، پہلے تو وہ تھوڑا سا اندر تھا جب دم لگائی زور سے اور اندر چلا گیا، جتنی زور سے دم لگائے گا اتنا ہی کانٹا اور اندر گھستا چلا جائے گا، اگر گدھا نہ ہوتا کچھ انسان جیسی عقل ہوتی تو کسی انسان کے پاس چلا جاتا کہ ذرا اس کو کھینچ دے، سکون و آرام نصیب ہو جاتا، مگر گدھا جو ٹھہرا اس کو کیا معلوم کہ اس کو سکون کیسے ہوگا؟ اسی طریقہ سے سمجھ لیا جائے کہ جن لوگوں کے دماغ گدھے کے نہیں ہیں کچھ ان میں انسانی عقل ہے ان میں جب گناہوں کا تقاضا پیدا ہوتا ہے تو وہ دم لگا لگا کر کانٹے کو اندر نہیں گھسیڑتے، گناہ کرنے سے تو پریشانی بڑھتی ہے، تقاضے بڑھتے ہیں، وہ کسی کامل سے جا کر نسخہ دریافت کرتے ہیں کہ آپ نکالیں، اس کا علاج کریں، اور اگر دماغ گدھے کا ہے تو وہ گدھے کی طرح خوب دم لگائے گا، مگر گناہ کرنے سے ہوس ہرگز ختم نہیں ہو سکتی۔

⑰ اصحاب کہف

کوئی ظالم بادشاہ تھا، مشرک و کافر تھا، اس وقت میں یہ حضرات گزرے ہیں، یہ

موحد تھے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے، ان کو یہ خطرہ ہوا کہ بادشاہ ان کو پکڑ کر قتل کروا دے گا۔ یہ وہاں سے نکل گئے، ایک غار میں چلے گئے، اللہ تعالیٰ نے ان پر وہاں نیند طاری فرمادی، سو گئے غار میں، ایک کتا بھی ان کے ساتھ تھا، وہ غار کے دروازہ پر بیٹھ گیا، اس پر بھی اللہ تعالیٰ نے نیند طاری فرمادی، بیٹھا ہوا ہے، تین سو نو سال اسی طریقہ سے گذر گئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کی دشمن سے حفاظت فرمائی، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ اگر کوئی ان کے قریب جائے انہیں دیکھے تو ان کے رعب کی وجہ سے پیچھے بھاگے، نیند کی حالت میں بھی ہم نے رعب کی شان رکھ دی، جس سے دوسرا دیکھ بھی نہ سکے، جس کی نظر پڑے وہاں سے بھاگتا ہوا ہانپتا ہوا واپس آئے کہ کہیں مجھے یہ پکڑ نہ لیں۔

اتنی مدت کے بعد وہ پھر بیدار ہوئے، بیدار ہونے کے بعد کہتے ہیں کہ کوئی ایک جاکر شہر سے کھانے پینے کے لئے کچھ لائے اور چھپ چھپ کر جائے، ان کا یہی خیال تھا کہ وہی بادشاہ ہوگا، اٹھے تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ کتنی مدت ہم یہاں غار میں سوئے ہے؟ کسی نے کہا ایک دن، کسی نے کہا نہیں پورا دن نہیں، تھوڑی دیر سوئے ہیں، اور فرمایا:

﴿ونقلبهم ذات اليمين و ذات الشمال﴾ (۱۸-۱۸)

اسی نیند کی حالت میں کروٹیں بدلتے رہے تاکہ کوئی تجسس بھی کرے تو سمجھے کہ زندہ ہیں، کبھی دائیں کروٹ کبھی بائیں کروٹ، جس غار میں سوئے ہوئے ہیں وہ اس طریقہ سے ہے کہ نہ صبح میں ان پر دھوپ آئے اور نہ شام میں، اس کا رخ آفتاب سے اس طرف کو تھا کہ صبح و شام میں ان پر دھوپ نہ آئے دھوپ سے حفاظت، دشمن سے حفاظت اور رعب لئے ہوئے تین سو نو سال گذر گئے، اس درمیان میں کروٹیں بھی بدل رہے ہیں، اٹھے تو سمجھے کہ پورا ایک دن بھی ہم یہاں نہیں ٹھہرے، اسی حالت میں اللہ تعالیٰ ان کو نکھارتے ہیں، بڑھاتے ہیں، رزق عطا فرماتے ہیں، دوران خون جاری

ہے، ہر قسم کی راحت و سکون حاصل ہے، اتنی مدت بڑے آرام سے گذر گئی، جب اٹھے کہنے لگے کہ تھوڑی دیر سو لئے، اب کچھ کھانے پینے کا انتظام کرنا چاہئے، کوئی ایک چھپ کر جائے تاکہ اس کافر بادشاہ کو پتہ نہ چل جائے، جب شہر میں گئے تو اتنے میں کافی تبدیلی آچکی تھی، کافر بادشاہ کا خاتمہ ہو چکا تھا، یہ کچھ خریدنے کے لئے تین سو نو سال پرانا سکہ جو لے کر گئے تھے وہ پہچان لیا گیا کہ یہ تو اس پہلے وقت کا ہے، اس وقت میں حکومت مسلمان تھی، ان کو بلا کر خوب اعزاز و اکرام کیا، بہت اچھے طریقے سے بٹھایا، اللہ تعالیٰ نے ان کے تقویٰ کی بدولت یہ اسباب پیدا فرمادیئے، کہ حفاظت بھی رہی رزق بھی ملتا رہا، آرام اور راحت سے رہے، ہر قسم کی تکلیف سے اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی۔

(۱۸) حضرت جریج:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی امتوں میں ایک بزرگ تھے، ان کا نام جریج تھا، آبادی سے باہر ایک جھونپڑی سی بنا رکھی تھی، وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے، ایک فاسقہ فاجرہ عورت ان کے پاس گئی، اور گناہ کے لئے کہا، انہوں نے انکار کر دیا، وہ عورت وہاں سے کسی چرواہے کے پاس گئی، جا کر اس سے منہ کالا کروایا، خواہش پوری کروائی، اس سے اس کو حمل ہو گیا، ذرا پوری بات ہی سن لیں کہ حضرت جریج کے ساتھ یہ واقعہ کیسے ہوا؟ جریج نفل نماز پڑھ رہے تھے، ان کی والدہ کو علم نہیں تھا کہ نفل پڑھ رہے ہیں اس لئے ان کو پکارا، کسی کام کے لئے بلایا۔ مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی نفل نماز پڑھ رہا ہو اور والدین میں سے کسی کو نفل نماز میں مشغول ہونے کا علم نہ ہو اس لئے وہ پکاریں تو نفل نماز توڑ کر ان کا جواب دینا واجب ہے، مگر یہ مسئلہ سمجھنا فقیہ کا کام ہے، جریج فقیہ نہیں تھے اس لئے وہ یہ مسئلہ حل نہ کر سکے۔ پریشان ہو کر نماز کے دوران دل ہی دل میں کہا کہ یا اللہ! ادھر میری نماز ہے اور ادھر

میری والدہ مجھے بلا رہی ہیں، نماز کو چھوڑ کر جواب دوں یا یہ کہ نماز میں مشغول رہوں، دو تین مرتبہ والدہ نے پکارا ان کو یہی خیال آتا رہا کہ کیا کیا جائے؟ والدہ کو غصہ آیا کہ جواب کیوں نہیں دے رہے، اس لئے اس نے بددعاء کی کہ یا اللہ! جریج کی موت سے پہلے فاسقہ عورتوں سے اس کا سابقہ پڑے، ماں نے بددعاء کردی، بس وہ بددعاء لگ گئی ان کو۔ ماں کا کتنا حق ہے کہ نماز پڑھ رہے ہیں اس حالت میں ماں نے بددعاء کی، اس کا یہ اثر ہوتا ہے۔ الغرض اس چرواہے سے اس کو حمل ہوگیا، بچہ پیدا ہوگیا، لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا کیا، اس نے جریج کا نام لگا دیا۔ لوگوں کو غصہ آیا کہ یہ بزرگ بنا بیٹھا ہے اور کام ایسے ایسے گندے، لوگ اس طرف بھاگے، پھاوڑوں سے ان کے عبادت خانہ کو گرادیا اور ان کو بھی بہت برا بھلا کہا، کافی بے عزتی کی۔

انہوں نے فرمایا کہ بتاؤ تو قصہ کیا ہے؟ لوگوں نے قصہ بتایا کہ کیا تم نے یہ حرکت کی ہے؟ فرمایا اس لڑکے کو لاؤ، چنانچہ وہ لڑکا جو پیدا ہوا تھا ان کے پاس لایا گیا، آپ نے وضوء کیا، نماز پڑھی، اور بچہ کے پاس جاکر فرماتے ہیں: بتا تو کس کا ہے؟ بچہ بولتا ہے، ابھی ابھی جو بچہ پیدا ہوا ہے بول رہا کہ فلاں چرواہے کا ہوں۔

اب لوگوں کو ہوش آیا، ان سے معافی مانگی اور کہنے لگے کہ ہم آپ کا عبادت خانہ سونے کی اینٹوں سے بنا دیتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ سونا ہے سونے والوں کے لئے، ہمیں سونے کی اینٹیں نہیں چاہئیں، جیسا تھا ویسا ہی بنا دو، انہوں نے پھر دوبارہ ویسا ہی بنا دیا۔

اس قصہ سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی مصلحت و ابتلاء و حکمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں پر جنہوں نے اپنے مالک سے تعلق پیدا کرلیا، تھوڑی سی دیر کے لئے پریشانی آتی بھی ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً اس کے ازالہ کے اسباب پیدا فرما دیتے ہیں، کتنی بڑی بات کہ عزت کا مسئلہ تھا اور صرف اپنی عزت نہیں بلکہ دین کی عزت کا مسئلہ تھا۔ دین کے رنگ میں جو بیٹھا ہوا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ میری بے عزتی نہیں، دین کی

بے عزتی ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں کہ اگر قسمیں اٹھاتے کچھ بھی کہتے کوئی بات قبول نہ ہوتی، مگر وہ بچہ خود ہی بتا رہا ہے کہ میں فلاں کا ہوں غیب سے اللہ تعالیٰ نے یوں مدد فرمائی۔

(۱۹) ایک اور بچہ کی شہادت

ایک اور قصہ وہ بھی صحیح بخاری میں ہے، ایک عورت بیٹھی ہوئی اپنے بچہ کو دودھ پلا رہی تھی، اتنے میں ایک شخص نوجوان، حسین، بہت خوبصورت اور بظاہر بہت معزز نظر آیا، بہت عمدہ گھوڑے پر سوار، بہت کروفر کے ساتھ گزرا اپنی مستی میں، عورت اسے دیکھ کر کہتی ہے کہ یا اللہ! میرے بچہ کو ایسا ہی بنا دے جیسا یہ جوان ہے، حسین و مالدار بھی ہے، ایسا میرے اس بچہ کو بنا دے۔

وہ بچہ ماں کے سینے سے دودھ پی رہا تھا اس نے جلدی سے منہ ہٹایا، اور کہنے لگا یا اللہ! مجھے ایسا ہرگز نہ بنانا، عورت بہت حیران ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ ابھی سے کیسے بولنے لگا؟ اور بولا بھی تو اپنے فائدہ کے خلاف بولا کہ یا اللہ! مجھے ایسا نہ بنانا، وہ ابھی سوچ رہی تھی کہ اتنے میں ایک سیاہ فام حبشی عورت، صورت و شکل اچھی نہیں ہے، کپڑے بوسیدہ اور پھٹے ہوئے ہیں، اس کو بہت ذلیل کرتے ہوئے لوگ گزار رہے ہیں، بچے پیچھے لگے ہوئے ہیں، پتھر مار رہے ہیں، کوئی گالیاں دے رہا ہے کوئی بدکاری کی تہمت لگا رہا ہے، اور کوئی چوری کا الزام لگا رہا ہے، ماں نے پھر کہا کہ یا اللہ! میرے بچہ کو ایسا ذلیل نہ بنائیو، وہ بچہ پھر دودھ پیتا ہوا منہ ہٹا کر جلدی سے بولتا ہے، یا اللہ! مجھے ایسا ہی بنا دے۔

ماں بڑی حیران کہ کیا قصہ ہو رہا ہے؟ اتنے میں اس بچہ نے تقریر شروع کر دی، اس نے بتایا کہ وہ شخص جو پہلے گزرا جس میں حسن و جمال ہے، کمال ہے، جوانی ہے، مالدار ہے، سبھی کچھ ہے، مگر وہ ظالم ہے، کسی کو قتل کر کے جا رہا ہے، یا اللہ! جب میں بڑا

ہوں مجھے ظالم نہ بنائیو، اور یہ عورت جسے لوگ ذلیل کرتے لے جارہے ہیں یہ عورت مظلوم ہے، لوگ کہتے ہیں کہ یہ بدکار ہے، مگر اللہ جانتا ہے کہ یہ پاک دامن ہے لوگ کہتے ہیں اس نے چوری کی ہے مگر اللہ جانتا ہے کہ یہ کبھی ایسی خیانت نہیں کرتی، یہ مظلوم ہے، یا اللہ! مجھے ظالم بننا پسند نہیں، مظلوم بننا پسند ہے، اس لئے کہ اگر مظلوم بن گیا تو کوئی نقصان نہیں، آخرت میں اس کا فائدہ ہوگا۔

یہ قصہ میں نے اس لئے بتایا کہ اس عورت پر بظاہر دو قسم کی پریشانیاں تھیں، ایک تو یہ کہ لوگ ذلیل کرتے ہوئے لے جارہے ہیں، اور دوسری عزت کی پریشانی کہ یہ ایسی ویسی ہے، وہ اپنی پاکدامنی بتانے کی کتنی بھی کوشش کرتی مگر کیا سنائی دیتا، ایک معصوم کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے براءت کی شہادت دلوائی، ایک بچہ جو بولنے کی قدرت ہی نہیں رکھتا، اس کی زبان سے شہادت دلوادی کہ یہ پاک دامن ہے، اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھنے والوں پر کسی عارضی مصلحت کی وجہ سے کوئی پریشانی آتی بھی ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً اس کے ازالہ کے اسباب پیدا فرمادیتے ہیں۔

(۲۰) اصحاب غار:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخص جارہے تھے، بارش سے بچنے کے لئے تینوں غار میں چلے گئے، اوپر سے ایک چٹان لڑھکی جس سے غار کا منہ بند ہوگیا، اندر سے چٹان کو ہٹائیں کیسے؟ موت کے منہ میں پھنسے ہوئے ہیں، بچنے کی کوئی صورت نہیں، انہوں نے کہا کہ اب ہم دعاء کریں، تینوں اپنا اپنا عمل جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمادیا ہو اور جس کی توفیق دے دی ہو اس کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں۔

ایک نے یوں دعاء کی کہ یا اللہ! مجھے اپنی چچازاد سے محبت تھی، بہن نہیں، یہ تو یہاں کے لوگوں نے نفسانی لذت اور مزے اڑانے کے لئے چچازاد، ماموں زاد وغیرہ کو بہن بنالیا، کہتے ہیں ماموں زاد بہن، پھوپھی زاد بہن، سب کو بہنیں بناڈالا تاکہ مزا آتا

رہے۔ بہن بھائی بن کر آپس میں بدمعاشی کرتے رہیں اور کچھ نہیں تو بری نیت سے دیکھتے ہی رہیں، اور شادی کرنا چاہیں تو سب بہنیں ختم ہو جاتی ہیں، جب چاہو بیوی بنالو جب چاہو بہن بنالو۔ اب وہ خالہ زاد بھی بہن نہیں رہی، میرے خیال میں پاکستان اور ہندوستان ہی میں یہ سلسلہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی اور جگہ بھی یہی بدمعاشی ہو، کیونکہ شیطان کا مدرسہ بہت وسیع ہے۔ اگر بہن ہے تو اس سے نکاح کیوں جائز ہوتا؟

اس شخص نے کہا یا اللہ! تجھے علم ہے کہ مجھے اپنی چچازاد سے بہت محبت تھی، میں نے اس سے گناہ کا مطالبہ کیا، اس نے کہا ایسے نہیں، اتنا اتنا کما کر لا، یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں مسکین تھا، میں نے اس کے عشق و محبت میں خوب محنت کی، جب اتنا مال جمع ہو گیا تو میں اس کے پاس گیا، تاکہ میرا مطالبہ پورا ہو جائے، اور میں نے اسے وہ مال دے دیا، اس عورت نے کہا: اتق اللّٰہ۔ "اللہ سے ڈر۔" اللہ کی نافرمانی مت کرو۔ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ اس نے جب تیرا نام لیا تو مجھ پر وہ خوف طاری ہوا کہ مال بھی واپس نہیں لیا، اسی کو دے دیا، اور گناہ سے بھی رک گیا، تو ہی جانتا ہے اس وقت میں نے اگر گناہ نہیں کیا تو اپنا مال ہی واپس لے لیتا، حالانکہ وہ مال میں نے اس کی محبت و عشق میں سالہا سال میں بہت محنت کے ساتھ کمایا تھا، مگر جب اس نے تیرا نام لیا تو اس کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں نے سب کچھ چھوڑ دیا، حالانکہ گناہ کرنے کا اسی وقت موقع ملا تھا۔

پہلے بھی بتاتا رہتا ہوں کہ جب کوئی ایسا واقعہ پیش آئے تو ایسے قلوب کا واسطہ دے کر دعاء کرنا چاہئے کہ ایک بار نصیحت کا وہ اثر ہو جائے کہ دل میں انقلاب پیدا ہو جائے، جیسے اس میں ہوا، یہ دعاء کی تو غار کے منہ کا تیسرا حصہ کھل گیا، اللہ تعالیٰ کا عجیب معاملہ ہے، اصل میں بعد میں آنے والے لوگوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ ایسے واقعات پیدا فرماتے ہیں تاکہ آیندہ نسلیں ہدایت و عبرت حاصل کریں، کچھ اس میں سوچنے کی باتیں ہیں، ایک یہ کہ ان کو مرنا تو تھا ہی، مگر اس موقع پر بچ گئے، کیا بعد

میں نہیں مرے ہوں گے؟ جب ایک نہ ایک روز مرنا ہی تھا تو اللہ تعالیٰ اسی وقت ان کے لئے غار کا منہ نہ کھولتے، بعد میں ہمیشہ کے لئے ان کو زندہ نہیں چھوڑا، تھوڑے سے دن زندہ چھوڑنے سے ان کو کیا ملا؟

دوسری بات، جب ایک نے دعاء کی تو غار کا منہ ۳/۱ کھلا، تیسرا حصہ، اس سے کیا فائدہ؟ اس سے نکل تو پاتے نہیں، دوسرے نے دعاء کی تو ۳/۲ کھل گیا، تیسرے نے دعاء کی تو سارا منہ کھل گیا، تو ایک ایک کی دعاء پر تھوڑا تھوڑا کر کے کھلنا اس میں کیا حکمت اور کیا فائدہ ہے؟

حکمت اس میں یہی تھی کہ یہ قصہ قیامت تک آنے والی نسلوں میں باقی رہے، وہ اس سے عبرت و سبق حاصل کرتے رہیں، کہ گناہ چھوڑنے پر اللہ تعالیٰ کی کیا مدد شامل حال ہوتی ہے؟ چھوڑنے پر تو کتنی بڑی مدد ہوگی، چھوڑنے کے بعد کبھی اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اس عمل کو پیش کرنے پر کتنی مدد ہوئی؟ ان لوگوں نے گناہ تو کہیں بہت پہلے چھوڑا تھا، اب مصیبت آئی تو کہتے ہیں کہ یا اللہ! فلاں گناہ میں نے صرف تیرے خوف سے چھوڑ دیا تھا، اور جیسے کہا فوراً اللہ تعالیٰ کی مدد ہوئی، تینوں کا ایک ایک قصہ جو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں تھا، دنیا پر اس کو ظاہر کرنا تھا، رہتی دنیا تک اس کو ذریعہ عبرت بنانا تھا، اس لئے یہ قصہ اس طریقہ سے پیش آیا۔

دوسرے نے یوں دعاء کی یا اللہ! صرف تجھے ہی معلوم ہے کہ میرے والدین بوڑھے تھے، میں بکریاں چرایا کرتا تھا، رات میں واپسی کے بعد ان کا دودھ نکال کر پہلے والدین کو پلاتا، بعد میں اپنے بچوں کو، ہمیشہ کا یہی معمول تھا، ایک بار بکریاں چراتے چراتے میں بہت دور نکل گیا واپسی میں دیر ہوگئی، جب میں گھر پہنچا تو والدین سو چکے تھے، میں نے ان کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا، میں نے دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لیا اور ان کے پاس کھڑا ہو گیا کہ خود ہی بیدار ہوں گے تو ان کو پلادوں گا، میں کھڑا رہا وہ بیدار نہیں ہوئے، اور چونکہ بچوں کو بعد میں پلانے کا معمول تھا اس لئے بچوں کو بھی نہیں دے

سکا اور وہ روتے رہے، یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں نے ہاتھ پر پیالہ رکھے ہوئے پوری رات گزار دی، صبح تک والدین بیدار نہیں ہوئے، نہ خود پیا اور نہ ہی بچوں کو پلایا، اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں نے صرف تیری رضا کی خاطر والدین کی یہ خدمت کی تھی، تو آج ہمیں اس مصیبت سے نجات عطاء فرما۔

ایک تہائی غار کا منہ اور کھل گیا، ۲/۳ ہو گیا، مگر اب بھی وہ اس سے نکل نہیں سکتے۔ تیسرے نے دعاء کی، یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں نے ایک مزدور رکھا تھا۔ چند کلو چاول اس کی اجرت متعین کی تھی، کسی بات پر وہ مزدور ناراض ہو کر چلا گیا اور اپنی اجرت کا غلہ لے کر نہیں گیا، میرے پاس ہی چھوڑ دیا، میں نے اس کو کاشت کر دیا۔ اس سے زیادہ پیداوار ہوئی، جو نکلی اس کو پھر کاشت کر دیا، پھر نکلی اس کو پھر کاشت کر دیا۔ وہ پیداوار اتنی بڑھ گئی کہ اسی پیداوار سے بیل، گائے، اونٹ، بکریاں اور غلام وغیرہ خریدے، کئی سالوں کے بعد وہ مزدور آیا، کہنے لگا: اتق اللّٰہ۔ "اللہ سے ڈر" میرا حق دے، کتنے سالوں سے دبائے بیٹھا ہے، میں نے کہا کہ یہ سب سامان لے جا، یہ تیرا ہے، اس نے کہا کہ اللہ کے بندے کیوں مذاق کر رہا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں، میں مذاق نہیں کر رہا، پوری تفصیل بتا دی، وہ مزدور بھی اللہ کا ایسا بندہ نکلا کہ ایک چیز بھی نہیں چھوڑی، سب ہی سمیٹ کر لے گیا، خیال کرتا کہ زمین آپ کی، محنت آپ کی، وہ تخم بھی آپ ہی کا تھا جب تک میں نے اس پر قبضہ نہیں کیا، سارا کچھ آپ ہی کا ہے، اگر ویسے عطیہ دیتے ہیں تو تھوڑا بہت دے دیں، پھر اگر وہ نہ بھی رکھتے کوئی بات نہیں تھی، پیشکش تو کر دیتا، مگر اس نے سارا لپیٹا اور چل دیا۔

مجھے اپنا ایک قصہ یاد آجاتا ہے، اللہ تعالیٰ اہل دل کی برکت سے ہمیں بھی ان کی فہرست میں داخل فرمالیں، وہ یوں کہ بعض لوگوں نے میری معرفت تجارت میں کچھ رقوم لگائیں، دنیا کا دستور ہے کہ آمدن بہت بڑی آرہی ہو پھر تو سبحان اللہ سبحان اللہ۔ حضرت جی! آپ کی برکت سے سب کچھ حاصل ہو رہا ہے، جب سے آپ کی معرفت

رقم لگائی ہے ماشاء اللہ! آپ کی بدولت بہت نفع ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ جس کے پاس رقم تھی اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی اولاد نے کہا کہ ہمیں تو کچھ معلوم ہی نہیں ساری رقمیں ختم ہو گئیں، ایک طرف سے قصہ ہی ختم ہو گیا۔ الحمد للہ! میرے قلب پر بال برابر بھی اس کا احساس نہیں ہوا، حالانکہ میری کل پونجی وہی تھی، وہی سرمایہ تھا، اس کے علاوہ کوئی ذریعہ آمدن کا نہیں تھا، اب جب مہینہ پورا ہو تو آمدن کہاں سے آئے؟ کچھ بھی نہیں تھا ایسے حالات میں انسان پریشان ہو جاتا ہے۔ مگر بحمد اللہ تعالیٰ میرے قلب پر بال برابر بھی اثر نہیں ہوا، انہی دنوں میں ایک صاحب نے فون پر کہا کہ میرا جہاز جس میں پچاس لاکھ روپے کا سامان تھا اغواء ہو گیا ہے، اور جہاز کرایہ پر لیا ہوا تھا، کچھ پڑھنے کو بتایئے، بہت پریشان ہوں، آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔

دوسرے کے بات کرنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس کے دل میں کیا چیز ہے؟ بتانے میں، تنا کافی تھا کہ ہمارا اتنا نقصان ہو گیا ہے، مگر ساتھ ساتھ یہ بھی بتا رہے ہیں کہ ایک جہاز اور مجھے خریدنا ہے وہ تیرہ کروڑ کا ملے گا، اور کارخانہ خریدنا ہے وہ اتنے کروڑ کا ملے گا، ایک کارخانہ بیچ رہا ہوں وہ اتنے کروڑ کا ہے، کروڑ بھی گنانے لگ گئے، انہوں نے تیس کروڑ گنا دیئے، میں نے کہا کہ باتوں باتوں میں تیس کروڑ تو آپ نے بتا دیئے اور تیس کروڑ کا پچاس لاکھ ۶۰/ احصہ ہے، ساٹھواں حصہ آپ کا نقصان ہوا وہ بھی یقین نہیں۔ ملنے کی توقع ہے، اس پر آپ کہتے ہیں کہ مجھے کوئی وظیفہ بتا دیا جائے، دعاء کی جائے۔ بہت پریشان ہوں، اور یہ کہ اسی مقصد کے لئے آپ میرے پاس آنا چاہتے ہیں کہ پچاس لاکھ واپس ہو جائیں، دین سیکھنے کے لئے نہیں آ رہے۔ میری تو ساری پونجی ہی ختم ہو گئی، میرے دل پر تو اس کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں، آپ کیوں پریشان ہیں؟ دوسری بات یہ کہ جس کی اپنی ساری ہی پونجی ختم ہو جائے آپ کو کیا وظیفہ بتائے؟ آپ پر کیا وظیفہ لگے گا؟ یہاں آنے سے ایسا نہ ہو کہ باقی تیس کروڑ بھی غائب ہو جائیں یہاں دین کے لئے آنا چاہئے، خیر دوسری بات تو میں نے انہیں نہیں بتائی۔

میں نے یہ طے کرلیا کہ جن لوگوں کی رقمیں بیس ہزار تک میرے ذریعہ سے لگی ہیں میں ان کو اداء کروں گا، کیونکہ میں نے کم پیسے والوں کو بھی ساتھ لگایا تھا کہ چلو کچھ ان کا بھی فائدہ ہوتا رہے، جن کے بیس سے زائد مثلاً ساٹھ ستر ہزار ہیں تو وہ ویسے بھی لاکھوں پتی ہیں، ایک طرف تو اپنی آمدن کے لئے ایک پیسہ نہیں اور ساری پونجی ختم، دوسری طرف یہ طے کرلیا کہ بیس ہزار تک جس جس نے بھی رقم لگائی تھی ان کو اپنی جیب سے اداء کروں گا، سننے والا تو بیوقوف ہی سمجھے گا، مجھے خود اس پر بھی بڑی ہنسی آتی ہے اور خوشی بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس تیسرے دعاء کرنے والے کی فہرست میں داخل فرمادیا۔

میں نے جب ان لوگوں سے کہا کہ تجارت کا حشر تو یہ ہوا کہ سارا قصہ ہی پاک ہوگیا، مگر آپ لوگوں کی جو رقمیں ہیں میں اپنے پاس سے دے دوں گا، پھر جس جس کو دی اس نے فوراً لے لی، ایک بار بھی یہ نہیں کہا کہ یہ آپ کے ذمہ تھوڑا ہی ہے، جیسے مقدر تھا ہوگیا، رہنے دیجئے، وہ پانچ چھ افراد تھے سارے ہی اللہ والے تھے، سب برابر تھے، ایک نے بھی ایک بار بھی نہیں کہا کہ آپ کے ذمہ نہیں ہے، آپ کیوں دیتے ہیں؟ میں نے تو طے کر ہی لیا تھا کہ ضرور دوں گا، اگر وہ لوگ انکار کرتے جب بھی میں ان کو اصرار کرکے دیتا، ہدیہ وغیرہ کہہ کر، مگر ان کا یہ معاملہ باعث تعجب ضرور ہوا۔

ہاں یہ بات بھی بتادوں کہ جب میں نے یہ طے کرلیا تو ایک مہینہ بھی نہیں گزرا کہ سب کی رقمیں دے دیں، غالباً چالیس ہزار کے قریب ہوں گی، اچھی طرح یاد نہیں، اپنے مصارف میں بھی ایک دن بھی پریشانی لاحق نہیں ہوئی، ایسے اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا فرمادیئے، اور پھر صرف یہی نہیں کہ یہاں کے مصارف ہوں بلکہ اس سال خود بھی اور گھر کے دو افراد کو بھی حج کروادیا، اللہ کی خاطر جب انسان کچھ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوں غیب سے مدد ہوتی ہے، حیران ہوں، عقل حیران رہ جاتی ہے کہ کہاں کہاں سے اللہ تعالیٰ اسباب پیدا فرمادیتے ہیں۔

ان روایات پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ دعاء کی کہ یا اللہ! فلاں عمل ہم نے کیا تھا اس کی برکت سے ہمیں اس مصیبت سے نجات عطاء فرما، حالانکہ اس میں ان کا کیا کمال ہے؟ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی دستگیری سے ہوتا ہے، اور یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم نے کیا، دراصل بات یہ ہے کہ الفاظ تو یونہی ہیں کہ میں گناہ سے بچ گیا، مگر مقصد یہ ہے کہ یا اللہ! جب بھی تیری ہی رحمت تھی اس وقت بھی تیری ہی رحمت ہم بندوں کی طرف متوجہ ہوئی تھی، اب بھی تیری اس رحمت کے صدقہ سے دعاء کرتے ہیں کہ ہمیں نجات دو، اور تیری رحمت اب بھی شامل حال ہو، اس وقت تو نے رحم فرمایا تھا اب بھی رحم فرما۔

تینوں کو نجات ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے اس لئے یہ قصہ پیدا فرمادیا کہ آیندہ آنے والی نسلوں کو سبق ملتا رہے، اللہ سے ڈرنا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنا اس سے تمام تکالیف زائل ہوجاتی ہیں، ہر پریشانی کا علاج ہوجاتا ہے۔

(۲۱) ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما احد پہاڑ پر تشریف فرما تھے، کہ پہاڑ میں زلزلہ آیا، یہ زلزلہ بھی کیا تھا؟ دراصل پہاڑ وجد میں جھوم رہا تھا، پہاڑ اتنا خوش ہو رہا تھا کہ آج مجھ پر کیسی ہستیاں تشریف فرما ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسکن۔ ٹھہر جا، مقصد یہ تھا کہ تو وجد میں آکر جھوم تو رہا ہے مگر جن کی محبت میں جھوم رہا ہے کہیں ان کو تکلیف نہ ہو، جوش کے ساتھ ہوش بھی ہونا چاہئے وہ ٹھہر گیا۔

پریشانی کے اسباب زائل ہونے پر بات ہو رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کیسے کیسے اسباب پیدا فرماتے ہیں۔

(۲۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کو معجزہ دکھاتے تو وہ کہتا، موسیٰ تو بہت بڑا جادوگر ہے، ہم بھی ذرا جادوگروں کو بلاتے ہیں، وقت متعین کرلیا جائے، حضرت موسیٰ

علیہ السلام نے فرمادیا کہ فلاں جگہ پر فلاں وقت میں مقابلہ کے لئے پہنچ جائیں، اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ ٹھیک ہو جاؤ، جو نافرمانی کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی رسالت قبول نہیں کرے گا اس کا انجام خراب ہوگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا تھا، بس ان کے طوطے اڑ گئے، پریشان ہو گئے، اور چھپ چھپ کر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا ہوگا؟

یہاں ایک عبرت کی بات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بات فرمائی تھی، کوئی ڈنڈا تھوڑا ہی مارا تھا یا ایٹم بم تھوڑا ہی پھینکا تھا، بس ایک بات فرمادی کہ دیکھو انجام خراب ہوگا، ادھر فرعون جیسا جابر ظالم، طاقتور بادشاہ، اس پر کوئی اثر نہیں ہونا چاہئے تھا، مگر وہ ایسا پریشان ہوا کہ مقابلے کے لئے جادوگروں کو بلایا، جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے، اس کی بات میں وہ اثر اور رعب ہوتا ہے کہ بڑے بڑے جابر بادشاہ بھی ان کے ایک لفظ سے دہل جائیں۔

مشورہ کیا، جادوگر آگئے، فرعون سے کہنے لگے اگر ہم غالب آگئے تو کچھ اجر بھی ملے گا؟ فرعون نے جواب دیا کہ پیسہ کا اجر تو ملے گا ہی اس کے ساتھ ساتھ تم میرے مقرب بھی بن جاؤ گے، بادشاہ کا مقرب ہونا پیسہ سے بھی بڑی دولت ہے، اس سے سبق ملتا ہے کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی رضا و قرب حاصل کرنا چاہے تو گناہوں کو چھوڑے، اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔

مقابلہ ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم لوگ اپنا کرتب دکھاؤ، انہوں نے لکڑیاں اور رسیاں پھینکیں، سب سانپ بن گئیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی پھینکی تو اژدھا بن گیا، اور ایک سانس میں ان سب چھوٹے چھوٹے سانپوں کو نگل گیا، جو وہاں بھاگ رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب تابع ہو جاتے ہیں، جب انسان ایک اللہ کا ہو جاتا ہے، ان کو راضی کر لیتا ہے تو وہ اسباب تابع فرما دیتے ہیں، یوں پریشانیوں کا علاج ہوتا

ہے، ہر موقع پر فتح و نصرت کا معاملہ ہوتا ہے، اور اس کے ساتھ قوت قلب بھی ایسی عطاء فرماتے ہیں کہ جادوگروں نے یہ معاملہ دیکھ کر اپنے ایمان کا اعلان کر دیا، فرعون نے کہا کہ تم آپس میں پہلے ہی ملے ہوئے تھے، اور موسیٰ تمہارا بڑا استاد معلوم ہوتا ہے: تم میری اجازت کے بغیر ایمان لے آئے ابھی تمہیں پتہ چل جائے گا جب تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی پر چڑھاؤں گا۔

مگر ان جادوگروں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق ہوجانے کی بدولت قلب میں وہ قوت آگئی کہ فرعون کو صاف کہہ دیا: فاقض ما انت قاض۔ تو دھمکی دے رہا ہے، کر لے جو کرنا ہے، کیا تیری دھمکیوں سے ہم اتنی بڑی دولت ایمان سے محروم ہوجائیں گے؟

﴿انما تقضی هذه الحیوة الدنیا﴾ (۲۰-۷۲)

"زیادہ سے زیادہ دنیا کی چند روزہ زندگی ختم کر دے گا، اور کیا کرے گا؟۔"

آج کل مسلمان کے دل میں سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ زندہ رہیں، خواہ شیطان ہی کو راضی کرنا پڑے، خواہ کفر و شرک ہی کا ارتکاب کرنا پڑے، مگر جادوگر جو اسی لمحہ میں ایمان لائے، ان کے دلوں میں دنیا کی کوئی قیمت ہی نہیں رہی، زیادہ سے زیادہ تو ہمیں ختم کر دے گا، اللہ کی راہ میں شہید ہوجائیں گے، سفر سے وطن میں پہنچ جائیں گے۔

یہاں بھی ایک عبرت کی بات ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تو فرعون کے گھر میں پلے، فرعون نے گود میں کھلایا، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صحبت کا کچھ اثر نہیں ہوا، جادوگر ابھی ابھی آئے اور صحبت کی برکت سے مشرف باسلام ہوگئے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا لباس پہن کر آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی نقل میں وہ برکت عطاء فرمادی کہ جو محبوب کی صورت بنا کر آگیا، ایمان کی دولت سے مالا مال ہوگیا، ظاہری صورت میں بھی برکت ہوا کرتی

ہے ۔

ترے محبوب کی یا رب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

(۲۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ رات میں بنی اسرائیل کو لے کر نکل جائیں، فرعون کے ملک سے بھاگ جائیں، پہلے وقت متعین ہو چکا تھا، کہ فلاں رات میں یہاں سے جمع ہو کر نکل جائیں، چل پڑے، فرعون کو معلوم ہو گیا کہ یہ قوم بھاگی جا رہی ہے، تعاقب کیا، اور خود بھی تعاقب کرنے والوں کے ساتھ ہو لیا، اتنی اہمیت کے ساتھ ان کا پیچھا کیا، فرعون کا لشکر پہنچ گیا، بنی اسرائیل نے دیکھا کہ آگے دریا ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر ہے تو کیا کہتے ہیں؟

﴿انا لمدرکون﴾ (۲۶-۶۱)

"بس اب ہم پکڑے گئے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، تمہارا خیال غلط ہے،

﴿ان معی ربی سیھدین﴾ (۲۶-۶۲)

جس کے حکم سے ہم نکلے ہیں وہ یقیناً ہماری مدد کرے گا، جس کی راہ میں نکلے ہیں اس کی قدرت بہت بڑی قدرت ہے۔

یہاں بعض سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو یہ فرمایا ہے "میرے ساتھ میرا رب ہے" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور میں جب کفار مکہ غار کے بالکل دہانے پر آپہنچے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھبرائے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! اگر ذرا سی نظر نیچی کر لیں تو ہمیں دیکھ سکتے ہیں، فرمایا

﴿ان اللہ معنا﴾ (۹-۴۰)

"اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

یہاں یوں فضیلت بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ "اللہ" پہلے بولا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بعد میں، دوسرا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں "میرا رب میرے ساتھ ہے" قوم کو معیت کے موقع میں بھول گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی کو نہیں بھولے، جبھی تو فرمایا "اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

کسی نبی کے بارے ایسی باتیں کرنا گستاخی اور بے ادبی ہے، اور جنہوں نے ایسی باتیں لکھ دی ہیں وہ علم نہیں جہالت ہے، اگر صحیح علم ہوتا تو پتہ چل جاتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام بھی اپنی جگہ صحیح تھا، موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے وہی جواب صحیح تھا، کیونکہ ان میں توکل کی کمی تھی، اللہ تعالیٰ کے ساتھ بنی اسرائیل کا تعلق، مضبوط نہیں تھا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب لے کر جا رہے تھے تو ایک دم کہہ دیا کہ ہم تو پکڑے گئے اب کیا ہوگا؟ انا لمدرکون جملہ اسمیہ تاکید کے لئے، حرف ان تاکید کے لئے، لام تاکید کے لئے، یعنی تردد سے نہیں کہہ رہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ یقیناً یقیناً یقیناً ہم پکڑے ہی گئے بس ہم تو مر ہی گئے، جس قوم کا یہ حال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے باوجود اور بے شمار معجزے جن کا انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، ان سب باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ پر اعتماد نہ آئے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت کیا ہوگی؟ کلام موسیٰ علیہ السلام کا مطلب یہ ہے کہ تم اس قابل ہو کہ تمہیں غرق کر ہی دیا جائے، میرے ساتھ میرا رب ہے، میری وجہ سے تم بھی بچ جاؤ گے، تمہارے ساتھ معیت الہیہ نہیں، تم بڑے نالائق ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام اپنی جگہ بالکل صحیح ہے، اگر یوں نہ ہوتا تو بلاغت کے خلاف ہو جاتا، اس کے برعکس حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان کامل ہے، اللہ کی رضا بھی پوری ہے، جس کی شہادت خود اللہ تعالیٰ دے رہے ہیں، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح اللہ میرے ساتھ ہے تیرے ساتھ بھی ہے۔

جب دریا پر پہنچے تو حکم ہوا کہ اس پر اپنی لاٹھی ماریئے، دریا میں لاٹھی ماری، بارہ قبیلے تھے، بارہ راستے الگ الگ بن گئے، پانی کی دیواریں بن گئیں، اب ان کی حماقت دیکھئے کہتے ہیں کہ اس طریقہ سے ہم لوگ بیچ میں چلے گئے اور بارہ میں سے کوئی ایک خاندان ڈوب گیا تو ہمیں کیسے پتہ چلے گا؟ اب بھی یقین نہیں آرہا کہ بیچ میں دیوار ہے، اگر کوئی خاندان ڈوب گیا تو ہمیں کیسے پتہ چلے گا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اطمینان کے لئے روشن دان بنا دیئے تاکہ دریا عبور کرتے وقت ایک دوسرے کو نظر آتے رہیں، فرعون نے سوچا کہ راستے تو موسیٰ کے بنائے ہوئے ہیں ہم بھی پار ہو جائیں گے اور حکم دیا لشکر کو گھس جاؤ اندر، یہ لوگ باہر نکل گئے، فرعون مع لشکر کے اندر، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا پانی کو جاری ہو جا، پانی جو پتھر کی طرح بن گیا تھا بہا، فرعون مع لشکر غرق ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے اسباب کو اس طریقہ سے تابع فرما دیا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کی رضا کے لئے نکلے ہوئے تھے، ان کو بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پانی پر تصرف فرمایا، فرعون اور اس کی قوم جس نے نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کی بغاوت کی، ان کو غرق کر دیا۔

ان دو قصوں سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ جتنا اپنے اختیار میں ہے اس کو تو کرے، آگے اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی پھینکے بغیر بھی تو جادوگروں کے سانپ ختم ہو سکتے تھے، کیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہیں؟ مقصد یہ ہے کہ انسان اتنا تو کرے جتنا اختیار میں ہے، جو معاملہ اس کی قدرت سے خارج ہے وہ ہم خود کر لیں گے، اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر انسان کا امتحان کیسے ہوتا؟ اللہ تعالیٰ امتحان لیتے ہیں کہ ہماری محبت میں کتنا ہوشیار ہے؟ جتنا اختیار میں ہے وہ کرتا ہے یا نہیں؟

(۲۴) سیف البحر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین سو کے لشکر پر امیر مقرر کر کے سیف البحر یعنی ساحل بحر کی طرف قبیلہ جہینہ پر حملہ

کرنے کے لئے روانہ فرمایا، سفر خرچ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تھیلا کھجوروں کا مرحمت فرمایا، جب وہ کھجوریں ختم ہو گئیں تو کھجوروں کی گٹھلیاں چوس چوس کر اور پانی پی پی کر جہاد کیا، جب یہ بھی نہ رہا تو درختوں کے پتے جھاڑ کر پانی میں تر کر کے کھانے لگے، بالآخر ایک روز دریا کے کنارے پہنچے، بھوک شدت سے لگی ہوئی ہے، اچانک ایک غیبی عنایت کا کرشمہ ہوا دریا نے باہر ایک اتنی بڑی مچھلی پھینکی جس کو تین سو افراد اٹھارہ دن کھاتے رہے، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ اسے کھا کر ہمارے جسم توانا اور تندرست ہو گئے، اس مچھلی کا نام عنبر تھا، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مچھلی کی پسلیوں میں سے ایک ہڈی لی اور اسے کھڑا کیا، لشکر میں سب سے لمبا شخص چن کر اس کو سب سے اونچے اونٹ پر بٹھایا، اور حکم دیا کہ اس ہڈی کے نیچے سے گزرو، گزرے تو سوار کا سر بھی اس ہڈی سے نہ لگا۔

فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ واپس آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے رزق تھا، جو اس نے تمہارے لئے بھیجا تھا، اگر اس میں سے کچھ باقی ہو تو لاؤ، چنانچہ اس کا کچھ بچا ہوا گوشت لایا گیا، اور آپ نے تناول فرمایا۔

یوں اللہ تعالیٰ نے اسباب کو تابع فرما دیا، اس لئے کہ انہوں نے مالک کو راضی کیا ہوا تھا، ان کی رضا کے لئے نکلے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے کیا دستگیری فرمائی کہ تین سو افراد اٹھارہ دن تک اس مچھلی کو کھاتے رہے پھر بھی وہ ختم نہ ہوئی۔

﴿ومن یتق اللّٰہ یجعل له مخرجا۝ ویرزقه من حیث لا یحتسب﴾ (۶۵ - ۳۰۲)

(۲۵) من یمنعک منی؟:

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں آرام کی غرض سے ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے، تلوار درخت پر لٹکا دی، اتنے میں دشمن کا ایک شخص آیا اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار میان سے کھینچ کر کہنے لگا: **من یمنعک منی؟** "مجھ سے تمہیں اس وقت کون بچائے گا؟" رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللّٰہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا تھا کہ اس کافر پر لرزہ طاری ہو گیا اور ہاتھ سے تلوار گر پڑی، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھائی اور فرمایا: "تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟" اس نے معافی مانگی اور عہد کیا کہ آیندہ کبھی آپ کے خلاف کسی دشمن کی مدد نہیں کرے گا، آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔

اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ تمام اسباب کو اس کے تابع فرما دیتے ہیں۔

(۲۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کا حکم ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لیا، دونوں حضرات رات کے اندھیرے میں چھپ کر نکلے، اور غار ثور میں پناہ لی، اللہ تعالیٰ کے حکم سے غار کے منہ پر مکڑی نے جالا لگالیا، کفار مکہ نے تعاقب کیا، تلاش کرتے کرتے غار تک پہنچ گئے، غار کے دروازہ پر مکڑی کا جالا دیکھ کر یہ کہا کہ اس میں جاتے تو مکڑی کا جالا باقی نہ رہ سکتا، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں پناہ گزین ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے چہرہ انور کے سامنے ایک درخت اگ آیا اور ایک جنگلی کبوتر کے جوڑے نے آکر انڈے دیئے، مشرکین مکہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے جب غار تک پہنچے تو کبوتر کے گھونسلے کو دیکھ کر واپس ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے ان کو دفع کیا۔

اس واقعہ کے ایک ایک جزء سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان جب اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے پر کمر باندھ لیتا ہے اور اس کی رضا کے لئے نکل پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر قسم کے ضرر سے حفاظت فرماتے ہیں اور تمام پریشانیوں کو زائل فرما دیتے ہیں۔ "من اطاع

اللّٰہ اطاعه کل شی ء" جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، گناہوں سے ان کی بغاوت نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی بدولت، گناہوں سے بچنے کی برکت سے ہر چیز اس کے تابع ہو جاتی ہے۔

(۲۷) صحیح بخاری میں ہے ایک صالح شخص نے کسی سے قرض لیا، اس نے کہا، کوئی ضامن لاؤ جو اس قرض کی ضمانت اٹھائے، اس صالح شخص نے کہا کہ اللہ ضامن ہے، اداء کرنے کا وقت بھی متعین کر لیا کہ فلاں وقت اداء کر دوں گا، جب اداء کرنے کا وقت آیا تو یہ قرض لے کر گئے، قرض خواہ دریا پار رہتا تھا، مقروض نے کشتی تلاش کی کافی انتظار کیا، مگر کوئی کشتی نہ ملی، سوچا کہ وعدہ بھی کیا ہوا ہے اور کشتی بھی نہیں مل رہی، انہوں نے ایک لکڑی میں سوراخ کیا، قرض کی رقم اس سوراخ میں رکھ کر لکڑی کو دریا میں بہا دیا، اور اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ یا اللہ! میں نے تو تجھے ضامن بنایا اس لئے تو ہی اس قرض کو قرض خواہ کے پاس پہنچا دے، یہ کہہ کر واپس ہو گئے، لکڑی بہتی ہوئی دوسرے کنارہ تک پہنچ گئی، ادھر قرض خواہ اس انتظار میں تھا کہ مقروض حسب وعدہ اس وقت آئے گا دوسرے کنارے پر بیٹھا انتظار کر رہا ہے۔ مایوس ہو کر جانے لگا تو دیکھا ایک لکڑی دریا میں بہ رہی ہے، جلانے کی غرض سے اس کو گھر لے گیا، جلانے کے لئے جب اس کی چیر پھاڑ کی تو اس میں سے اس کی رقم نکل آئی۔

اس سے جو ثابت ہوا وہ واضح ہے کہ اللہ کا نیک بندہ ہو، حقوق العباد اداء کرنے کی خوب کوشش کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے لطف و کرم کا معاملہ فرماتے ہیں کہ سارے اسباب اس کے تابع ہوتے چلے جاتے ہیں۔

(۲۸) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

مصر کا گورنر بنا کر بھیجا، اہل مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یہ ہمارا دریائے نیل ایک خاص طریقہ اختیار کئے بغیر جاری نہیں ہوتا، دریافت فرمایا وہ طریقہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ ہوتی ہے تو ایک کنواری لڑکی بہتر سے بہتر زیور و عمدہ پوشاک سے خوب آراستہ و مزین کر کے اس دریا کی بھینٹ چڑھاتے ہیں، جب تک یہ نہ کریں دریا چلتا ہی نہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ طریقہ اسلام میں حرام ہے، ہرگز یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے، اس کے بعد کئی ماہ تک دریا جاری نہیں ہوا، بالکل خشک ہو گیا، یہاں تک کہ ان لوگوں نے شہر چھوڑنے کا ارادہ کر لیا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ اس تنگی کی وجہ سے اپنا وطن چھوڑ رہے ہیں تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں اس معاملہ کا ذکر کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ایک خط لکھا کہ میں تمہاری طرف یہ پرچہ بھیج رہا ہوں، اسے دریائے نیل میں ڈال دینا، اس پرچہ میں یہ مضمون تھا:

> ”یہ خط اللہ کے ایک بندہ عمر امیر المؤمنین کی طرف سے دریائے نیل کو لکھا جا رہا ہے، امابعد: اے دریا! اگر تو پہلے بغیر کسی کے حکم کے چلتا تھا تو ہمیں تیری کوئی ضرورت نہیں مت چل اور اگر تجھے اللہ واحد و قہار ہی جاری کرتا تھا، چلاتا تھا، تو ہم اللہ واحد و قہار سے دعاء کرتے ہیں کہ تجھے جاری کر دے۔“

دریا میں خط ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عنایت ہوئی کہ ایک ہی رات میں سولہ ذراع پانی بہنے لگا۔

اس قصہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے ان کو راضی کر لیتا ہے، گناہوں سے اور مالک کی بغاوت سے بچتا ہے، ہر چیز اس کے تابع ہو جاتی ہے،

صرف حیوانات ہی نہیں بلکہ جمادات بھی اس کے حکم کے تابع ہو جاتے ہیں۔

۲۹ غزوۂ بدر:

غزوۂ بدر میں کفار نے پہلے پہنچ کر موزوں جگہ پر قبضہ کرلیا، صاف اور ہموار میدان ان کے پاس اور ریت کے ناہموار اور اونچے اونچے ٹیلے مسلمانوں کے لئے، جہاں چلتے ہوئے پاؤں دھنستے، وضوء غسل اور پینے کے لئے پانی کا نام ونشان نہیں، شدت کی گرمی، سواریاں بہت کم، افرادی قوت بھی کم، اسلحہ نہ ہونے کے برابر، دشمنوں کے پاس مال و متاع کی کثرت، سامان خور و نوش کی فراوانی، سواریوں کی بہتات، افرادی قوت بھی زیادہ، اسلحہ بھی ہر قسم کا موجود، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے مطیع اور فرمانبردار بندوں کی نصرت فرمائی، وہ یوں کہ بارش خوب برسا دی، کفار میدان میں تھے وہاں پانی جمع ہو گیا، وہ پھسلنے اور گرنے لگے، مسلمانوں کے پڑاؤ میں ریت تھی، وہ بارش کی وجہ سے دب گئی، انہوں نے گڑھے کھود کر ضروریات کے لئے پانی بھی جمع کرلیا، بہرحال اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے اپنے فرماں برداروں کی امداد فرمائی اور فتح نصیب کی۔

۳۰ غزوۂ احد:

دو پہاڑوں کے درمیان ایک جگہ نیچی تھی، خطرہ تھا کہ دوسری جانب تو جنگ ہو رہی ہے اور یہاں پیچھے سے آکر دشمن کہیں حملہ نہ کردے، وہاں کی حفاظت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کو متعین فرمادیا کہ تم لوگ یہیں کھڑے رہو، ایک کو ان پر امیر بنادیا اور فرمایا کہ یہاں سے ہٹنا نہیں ہے، مسلمانوں کو فتح ہو گئی، کفار بھاگنے لگے، قتل ہو رہے ہیں، سامان چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں، دشمن کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی، پہاڑی پر متعین بعض حضرات نے کہا کہ اب تو ہمارے لئے بھی موقع ہے

کہ چل کر غنیمت کا سامان جمع کروائیں، یہاں کھڑے رہنا بیکار ہے، غلبہ ہوگیا، دشمن کو شکست ہوگئی، اب جائیں اور جاکر مال جمع کروائیں، کچھ کام میں مدد کروائیں، خاص طور پر علماء کو بات سمجھنا چاہئے کہ اس قصہ سے یہ سمجھنا کہ یہ حضرات حب مال میں پہاڑی کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے کہ ہمیں بھی مال ملے، یہ غلط ہے، انہوں نے یہ سمجھا کہ اب تک جو یہاں کھڑے تھے، اللہ کی رضا اس میں تھی کہ یہ مورچہ سنبھالے رکھو، اب اس کا موقع ختم ہوگیا، اب غنیمت کو جمع کرنا ہی جہاد ہے، اب اس جہاد میں شریک ہوجائیں، یہاں کھڑا ہونا بھی جہاد تھا مگر اس کا موقع ختم ہوگیا، اب دوسرے جہاد کا وقت ہے، یہ خیال کہ مال کی خاطر جگہ چھوڑی تھی اس لئے بھی غلط ہے کہ جو حفاظت کی خاطر کہیں کھڑا رہے غنیمت سے حصہ تو اس کو بھی ملتا ہے، اگر مسئلہ یوں ہوتا کہ جو مال جمع کرے اس کو تو حصہ ملے گا اور جو حفاظت کے لئے کھڑا رہے اسے نہیں ملے گا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں کسی کو ایسا وسوسہ آسکتا تھا، مسئلہ یہ ہے کہ حفاظت کے لئے جو کھڑا ہے اس کو بھی حصہ ملے گا، جو لڑ رہے ہیں ان کو بھی اور جو مال غنیمت جمع کر رہے ہیں ان کو بھی ملے گا، وہ تو سب کو برابر ملتا ہے، معلوم ہوا کہ مال کی طلب ان حضرات کے قلوب میں نہیں تھی، انہیں یہ خیال ہوا کہ اب تک یہاں ٹھہرنے میں جہاد تھا، اس کا موقع ختم ہوگیا، اب مال جمع کرنے میں اور اپنے بھائیوں کے ساتھ ہاتھ بٹانے میں جہاد ہے، قرآن مجید میں فرمایا:

﴿منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرۃ﴾ (۳-۱۵۲)

اس سے اہل علم کو شبہہ ہوسکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پوری عبارت یوں ہے:

منکم من یرید الدنیا للاخرۃ ومنکم من یرید الاخرۃ الصرفۃ۔ دونوں کا مقصد آخرت تھا، دنیا مقصود نہیں تھی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر حکم کے خلاف ہوگیا، باہم اختلاف ہوا، امیر کا خیال یہی تھا کہ جگہ خالی نہیں چھوڑنا چاہئے، اسی

طرح بعض دوسرے لوگوں کا بھی یہی خیال تھا، مگر بعض کی یہ رائے ہوئی کہ مال غنیمت جمع کرنے میں لگنا چاہیے، وہ چلے گئے، حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، دشمن کی فوج کے کمانڈر تھے اور جنگ میں بہت ماہر تھے، انہوں نے پیچھے سے اپنی فوج لاکر حملہ کردیا تھوڑے لوگ جو رہ گئے تھے وہ شہید ہوگئے، سامنے کے کفار نے دیکھا کہ پیچھے سے ہماری فوج آگئی ہے تو وہ بھی لوٹ پڑے، درمیان میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آگئے، اور عارضی طور پر شکست ہوگئی، اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ہزیمت و شکست تمہیں کیوں ہوئی؟ اس لئے کہ ہماری طرف سے جو حکم دیا گیا تھا تم نے اس کے سمجھنے میں غلطی کی، جو ظاہر حکم تھا اسی پر ڈٹے رہتے، کیوں وہاں سے ہلے؟ اسی پر یہ سزا دی ہے، اندازہ لگایا جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے مخلصین عاشقین ہیں، محبت والے، اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں پھر جان بوجھ کر گناہ نہیں کیا، اجتہادی غلطی یعنی غور و فکر کرنے میں غلطی ہوگئی، غلطی کی نہیں ہوگئی، اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سزا ملی کہ جو فتح و نصرت مل چکی تھی وہ ہزیمت و مغلوبیت سے تبدیل ہوگئی۔

(۳۱) غزوۂ خندق:

کفار نے یہ طے کیا کہ جتنے بھی قبائل ہیں سب مل کر چڑھائی کرو اور اس کی بجائے کہ کسی دوسری جگہ پر انتظار کرو مدینہ پر ہی جاکر دھاوا بول دو، حملہ کرو، اور بس ایک دفعہ قصہ نمٹادو، یہ بار بار کی جنگیں، فلاں جگہ پر، فلاں جگہ پر، ان کو چھوڑ دو۔

یہ طے کیا انہوں نے، اسی جنگ کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں اور غزوہ احزاب بھی، "احزاب" کے معنی قبائل، مختلف جماعتیں، مختلف قبائل نے مل کر حملہ کیا، "خندق" اس لئے کہتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ ہمارے ہاں دفاعی جنگ لڑنے کا ایک مؤثر طریقہ ہے، وہ یہ کہ ایک خندق

کھودتے ہیں تاکہ دشمن آگے نہ آنے پائے، ہماری جنگ دفاعی جنگ ہے، اس لئے خندق کھودی جائے، اس لئے اس کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔

اس غزوہ میں بہت عبرت کی باتیں ہیں، مگر اس وقت جو مضمون چل رہا ہے صرف اس سے متعلق بات کرنا ہے، ویسے ہیں بہت عبرت کی باتیں، مثلاً یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھری اور ان کی طرف پھینکیں، اور فرمایا: شاھت الوجوہ۔ "چہرے مسخ ہوجائیں" ایک مٹھی میں ظاہر ہے کہ کتنی کنکریاں آئیں گی، مگر جتنے فوجی تھے کافروں کے ہر ایک کے کان میں، ناک میں، آنکھوں میں تمام کنکریاں جاکر گھس گئیں، سب اندھے، بہرے ہوگئے، ایک مٹھی بھر کنکریاں اور اتنی بڑی فوج ہے، وہاں کیسے پہنچیں؟ پھینکیں تو ایک جگہ پر اور پہنچ گئیں ساری فوج میں، پھر یہ کہ رات میں ایک زبردست آندھی آئی، اتنی زبردست آندھی کہ خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں، خیمے اڑ گئے اور سواریاں جو بندھی ہوئی تھیں ان کے رسے لوٹ گئے، وہ بھاگ گئیں، اور خیموں کے ستون جو بانس وغیرہ کے تھے وہی ان کے سروں میں لگ لگ کر ان کے سر پھوڑ ڈالے، اس طرح بھگدڑ مچ گئی، بتائیے کہ ان میں کون سی بات ایسی ہے جو اسباب کے مطابق ہے؟ ظاہراً کامیابی کا کوئی سبب نہیں پھر بھی جتنا ہوسکتا تھا اختیار کیا، یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ کنکریاں خود بخود زمین سے اٹھیں اور ان کے کانوں آنکھوں میں پڑ جائیں، اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہیں مگر نہیں، جتنا آپ سے ہوسکتا ہے اتنا تو کریں گے، آگے وہ خود کریں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا، کہ اتنا تو آپ کے اختیار میں ہے کہ کنکریوں کی مٹھی بھریں اور کفار کی طرف پھینک دیں، آگے ہمارا کام ہے، انہیں اندھا بہرا خود ہی کر دیا۔

﴿۳۲﴾ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

غزوۂ خندق میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بہت شدید بھوک لگی،

ہوئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ بھوک لگی ہوئی تھی، ایک صحابی نے دکھایا کہ پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیٹ مبارک دکھایا اس پر دو پتھر باندھے ہوئے تھے، بھوک کی وجہ سے کیوں پتھر باندھتے تھے؟ بعض کا تو یہ خیال ہے کہ پتھر کی ایک خاص قسم ہے اس میں کچھ برودت ہوتی ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ معدہ پر لگانے سے بھوک میں تخفیف ہو جاتی ہے، اور بعض کا یہ خیال ہے کہ پیٹ کو دبایا جائے تو سکون ہوتا ہے، اب لڑائی میں پیٹ کو ہاتھ سے کیسے دبائے رکھے۔ پتھر باندھ لیا، ذرا دبائے رکھے گا ذرا تخفیف محسوس ہوگی۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر تشریف لے گئے، بیوی سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بھوک کی وجہ سے جو میں دیکھ رہا ہوں اس پر صبر نہیں آرہا، کچھ ہے گھر میں؟ کچھ تیار کر لیا جائے، معلوم ہوا کہ بکری کا ایک چھوٹا سا بچہ اور تھوڑے سے جو ہیں، بیوی سے فرمایا کہ میں بکری کا بچہ ذبح کرتا ہوں، اور آپ جلدی جلدی جو پیس لیں، کچھ کھانا پکا لیتے ہیں، کھانا تیار ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے کے لئے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے، دوسروں سے چھپا کر آہستہ سے عرض کیا یا رسول اللہ! تھوڑا سا کھانا ہے آپ اور تھوڑے سے مخصوص اصحاب کو اپنے ساتھ لے لیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری فوج میں اعلان فرمادیا کہ چلو جابر نے دعوت کی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا تناول فرماتے، آپ نے سب کو شریک کر لیا، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھبرائے، لے جا رہے ہیں، گھر میں جا کر بتایا تو بیوی نے بھی کچھ کہا کہ یہ کیا کر دیا؟ خیر سوچا کہ سوائے حکم کی تعمیل کے کوئی چارہ نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیوی سے کہہ دو، کہ ہانڈی چولہے سے نہ اتارے، اور روٹیاں جو تنور میں لگادی ہیں وہ بھی نہ اتارے ویسے ہی لگی رہنے دے، میں خود ہی آؤں تو دیکھیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ہانڈی چولہے پر ہے وہیں سے نکال نکال کر سب کو دیتے رہے، اور روٹی تنور سے نکال نکال کر دیتے رہے. تمام فوج نے سیر ہو کر کھایا، مگر وہ ہانڈی چولہے پر جوش ہی مار رہی ہے اور روٹی بھی ختم نہیں ہوتی۔

یہ بیان اس پر چل رہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیا جائے تو وہ تمام اسباب راحت وسکون ورزق کے پیدا فرما دیتے ہیں، اور تمام پریشانیوں کا علاج فرما دیتے ہیں۔

(۴۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار مجھے بہت سخت بھوک لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جس دروازہ سے گزرا کرتے تھے، میں وہاں بیٹھ گیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے، میں نے آپ سے قرآن مجید کی ایک آیت دریافت کی، حالانکہ یہ آیت مجھے خوب یاد تھی، اس کے باوجود محض اس لئے دریافت کی کہ وہ مجھے اپنے ساتھ مکان میں لے جاکر کچھ کھلائیں گے، مگر وہ مقصد نہ سمجھے، اس لئے مجھے ساتھ نہ لے گئے، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے، میں نے ان سے بھی کتاب اللہ کی ایک آیت دریافت کی جو مجھے خوب یاد تھی، ان سے صرف اس لئے پوچھی کہ وہ اپنے ساتھ لے جاکر کچھ کھلائیں، مگر وہ بھی میرا مقصد نہ سمجھے اور مجھے وہیں چھوڑ کر تشریف لے گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا اور میرے چہرے کی حالت اور دل کی بات سمجھ گئے، اور مجھے اپنے ساتھ مکان میں لے گئے، مکان میں دودھ کا ایک پیالہ تھا، جو کسی نے بطور ہدیہ پیش خدمت کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ تمام اصحاب صفہ کو بلا لاؤ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے خیال آیا کہ دودھ کا ایک ہی تو پیالہ ہے. کتنے دنوں کا بھوکا ہوں یہ تو سارا مجھے ہی مل جاتا تو کچھ گزارا ہو جاتا، اب ایک پیالہ میں سے ایک

ایک قطرہ بھی بمشکل آئے گا کسی کا بھی کچھ نہیں بنے گا، مگر حکم تھا، کرنا پڑا، بلا کر لے گئے، ان دنوں میں اصحاب صفہ ستر تھے۔

اصحاب صفہ ان حضرات کو کہا جاتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دین حاصل کرنے کے لئے شب وروز مسجد نبوی میں پڑے رہتے تھے، کہیں کمانے کے لئے نہیں جاتے تھے، سوائے علم دین حاصل کرنے کے اور کوئی کام تھا ہی نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو ہدایا وغیرہ آتے تھے، ان سے ان حضرات کی مدد فرماتے یا دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کی امداد فرماتے رہتے تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اصحاب صفہ میں سے ہیں، ان سے کسی نے کہہ دیا: اکثر ابو هريرة۔ "ابوہریرہ حدیثیں بہت بیان کرتے ہیں؟" انہوں نے دو وجہیں بیان فرمائیں، ایک تو یہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حدیثیں بھولنے کی شکایت کی کہ مجھے یاد نہیں رہتیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی، اس کے بعد میں کوئی حدیث نہیں بھولا، دوسرے لوگوں سے میرا حافظہ تیز ہے، دوسری وجہ یہ کہ تم میں سے بعض لوگ زراعت کرتے تھے اور بعض تجارت میں مشغول ہو جاتے تھے، کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہوئی اور کبھی غائب ہو گئے، مگر ابوہریرہ پیٹ بھر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھتا تھا، سوائے علم دین حاصل کرنے کے اور کوئی کام ہی نہیں تھا، اب جو قصہ چل رہا ہے اس میں بھوک کی شدت مذکورہ ہے، اور بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھوک کے واقعات ہیں، جواب یہ ہے کہ ہوس کو ختم کر کے بیٹھتے تھے، کہتے ہیں کہ فلاں کا تو پیٹ ہی نہیں بھرتا یعنی ہوس ہے قناعت نہیں، اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ قناعت کر کے اللہ پر توکل کر کے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تمام اصحاب صفہ کو بلا کر لے

گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان سب کو پلاؤ، (جو زیادہ بھوکے تھے انہیں کو حکم دیا جارہا ہے کہ سب کو پلاؤ، آپ سب کو پلا رہے ہیں) سب نے خوب سیر ہوکر پیا، مگر پیالہ اسی طرح بھرا رہا، کم نہیں ہوا، جب سب خوب سیر ہوگئے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیالہ پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ اپنے ہاتھ مبارک پر رکھا، پھر میری طرف دیکھ کر تبسم فرمایا اور فرمایا: "میں اور تو ہی باقی رہ گئے" میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپ نے صحیح فرمایا۔" پھر فرمایا بیٹھ کر "پیو" میں نے پیا، پھر فرمایا "پیو" میں نے پھر پیا، بار بار "پیو" فرماتے رہے، حتی کہ میں نے عرض کیا: "اب مزید اترنے کی گنجائش نہیں رہی" پھر آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نوش فرمایا۔

الحمد للہ! میں زم زم کا پانی یونہی پیتا ہوں کہ پیٹ بھرنے سے پہلے تو چھوڑتا ہی نہیں ہوں، جب سمجھتا ہوں کہ پیٹ خوب بھر گیا، پھر دوبارہ پینا شروع کرتا ہوں، پھر تیسری بار شروع کرتا ہوں، اور یہ زم زم کی برکت ہے کہ جتنا بھی پی لیں سارا ہضم ہو جاتا ہے۔

اس قصہ سے مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو راضی کرلینے سے، معصیت، گناہ اور مالک کی نافرمانی چھوڑنے سے، فکر آخرت کرنے سے ایسی برکت عطاء فرماتے ہیں کہ ایک پیالہ دودھ کا ستر حضرات کے لئے کافی ہوگیا، سب کے سیر ہونے کے بعد بھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک قطرہ بھی کم نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ یوں اسباب رزق کے پیدا فرما دیتے ہیں، اور بھی ایسے بہت سے واقعات ہیں۔

﴿۴۴﴾ غزوۂ حنین:

غزوۂ حنین میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو تھوڑا سا خیال آگیا کہ ہم لوگ جب تھوڑے سے تھے، اسلحہ بھی نہیں تھا ان دنوں میں کفار پر غالب آتے رہے، انہیں مارتے رہے، اور اب تو ماشاء اللہ! ہمارا عدد کافی ہے، اسلحہ بھی ہے،

سواری بھی ہے، اب تو دیکھئے میدان میں نکلے تو کافروں کو کیسے بھگاتے، مرتے اور قتل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہاری نظر جو پہلے مجھ پر جمی ہوئی تھی، وہاں سے ہٹ کر اپنی کثرت اور اپنے اسلحہ پر جو گئی تو ہم سزا یہ دیتے ہیں کہ اب تمہیں شکست ہوگی، شکست ہوگئی، کون لوگ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت، اللہ پر پوری نظر رہی مکمل اعتماد رہا تو مٹھی بھر جماعت نے بڑی بڑی فوجوں کو شکست دے دی، اور جہاں اپنے نفس اور اپنی کثرت پر اعتماد آگیا تو اللہ تعالیٰ نے فوراً سزا دی کہ دیکھو! تمہیں ہم پر اعتماد رکھنا چاہئے تھا، اپنی کثرت و اسلحہ پر کیوں نظر گئی؟ سبق دیئے جارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر نظر رکھی جائے، اس کو راضی کرنے کی کوشش کی جائے، پھر اللہ تعالیٰ اسباب پیدا فرمادیتے ہیں، مدد ہوتی ہے، اور ذرا سی اللہ تعالیٰ سے نظر ہٹائی تو آئی ہوئی مدد بھی ختم ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کے لئے عارضی شکست کے بعد پھر کفار پر غلبہ عطاء فرمایا۔

۳۵ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

صحیح بخاری میں ایک باب ہے: "باب برکة الغازی فی مالہ حیا و میتا" یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت و اشاعت میں لگ جاتا ہے، زندگی میں اور مرنے کے بعد اس کے مال میں برکت پیدا کردی جاتی ہے۔ اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک حدیث لائے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لوگ امانتیں لاتے تھے، وہ فرماتے: اگر امانت رکھیں گے تو اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ حفاظت کے باوجود امانت ہلاک ہوجائے تو اس کا ضمان واجب نہیں، اس لئے فرماتے کہ یہ رقم مجھے بطور قرض دے دیں تاکہ میرے ذمہ لازم ہوجائے، اور ضائع ہونے کا اندیشہ ہی ختم ہوجائے۔ اس طرح آپ پر بائیس لاکھ درہم قرض ہوگیا آپ نے کسب معاش کا کوئی ذریعہ اختیار نہیں فرمایا، ہمیشہ

جہاد میں مشغول رہتے تھے، حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں شہید ہوگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی گردنیں اڑاتے رہے اور اس مقصد کے لئے اپنی جان قربان کرنے کے جذبات سے سرشار رہے، بالآخر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اپنے محبوب حقیقی کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے جان دے کر مقصد زندگی پاگئے رضی اللہ عنہ وارضاہ ؏

جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

ایک روز صاجزادے سے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ میں عنقریب شہید ہوجاؤں گا، میرے ذمہ قرض بہت ہے، تمام قرض خواہوں کا قرض اداء کردینا، اگر ترکہ سے پورا نہ ہوسکے تو زبیر کے مولیٰ سے مانگنا، وہ انتظام کردے گا۔

مولیٰ کے مختلف معانی ہیں، غلام اور آقا کو بھی کہتے ہیں، صاحب معاہدہ اور حصہ دار کو بھی، چونکہ عرب میں قبائل اور افراد میں موالاۃ کا دستور تھا، اور عام رواج تھا، جس کے مطابق ایک فریق دوسرے فریق کی وفات کے بعد اس کے ذمہ واجب ہونے والے تمام حقوق اداء کرنے کا ذمہ دار ہوتا تھا، اس لئے صاجزادہ نے خیال کیا کہ شاید اباجان نے کسی سے معاہدہ کر رکھا ہے، اس وجہ سے پوچھا کہ آپ کا مولیٰ کون ہے؟ جواب میں فرمایا میرا مولیٰ اللہ ہے۔

شہادت کے بعد حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاجزادہ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت فرمایا کہ قرض کتنا ہے؟ انہوں نے ایک لاکھ درہم بتایا، دراصل صاجزادہ قرض مخفی رکھنا چاہتے تھے، اس لئے کم بتایا، چونکہ اس میں باقی اکیس لاکھ کی نفی نہیں، اس لئے صاجزادہ کی اس خبر پر کوئی اشکال نہیں، حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ترکہ سے اتنا قرض پورا ہونا مشکل ہے، اب اللہ

تعالیٰ کا کرم دیکھئے کیسے مشکل کو دور فرمایا اور تھوڑے سے مال میں کیا برکت عطاء فرمائی؟ اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت عطاء فرمائی کہ بائیس لاکھ درہم قرض بھی اسی سے اداء کیا، قرض اداء کرنے کے بعد ترکہ تین حصوں میں تقسیم کیا، ۳/۱ وصیت میں دیا، ۳/۲ میں سے ۸/۱ بیویوں کو ملا، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چار بیویاں تھیں، ہر ایک بیوی کے حصہ میں بارہ لاکھ درہم آئے، اس حساب سے کل ترکہ پانچ کروڑ اٹھانوے لاکھ (۵۹۸۰۰۰۰۰) ہوا۔

حساب کی تفصیل یوں ہے:

چار بیویوں کا حصہ	= ۱۲×۴ = ۴۸
سب وارثوں کے حصص کا مجموعہ	= ۴۸×۸ = ۳۸۴
وصیت	= ۳۸۴÷۲ = ۱۹۲
قرض	= ۲۲

۳۸۴ + ۱۹۲ + ۲۲ = ۵۹۸، پانچ سو اٹھانوے لاکھ، یعنی پانچ کروڑ اٹھانوے لاکھ۔

جس ترکہ سے ایک لاکھ درہم قرض اداء کرنا بھی مشکل ہو رہا تھا اس ترکہ میں کتنی برکت ہوئی؟ وہی ترکہ تقریباً چھ کروڑ ہو گیا کہاں ایک لاکھ اور کہاں چھ کروڑ، دیکھئے کتنی بڑی پریشانی تھی کہ قرض بائیس لاکھ درہم اور ترکہ بمشکل ایک لاکھ، قرض خواہوں کے سامنے ندامت کی الگ پریشانی، مگر اللہ تعالیٰ نے رحمت کا یہ معاملہ فرما کر بتا دیا کہ اللہ کے ساتھ صحیح تعلق جوڑنے والے اور دنیا سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں ختم کرنے کے لئے ہر وقت سر بکف رہنے والے پر پریشانی نہیں آسکتی، منکرات چھوڑنے اور چھڑوانے کی کوشش میں لگے رہنے سے تمام بیماریاں اور پریشانیاں کافور ہو جاتی ہیں، اور اگر ایسے مجاہد پر خدانخواستہ کوئی مصیبت آبھی گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی دستگیری ہوتی ہے کہ وہ مصیبت، بہت بڑی راحت اور عظیم دولت کا سبب بن جاتی ہے، اور رزق ایسے

برستا ہے کہ بڑے بڑے عقل مند حیران رہ جائیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ یہی سبق دیتا ہے کہ گناہوں کو چھوڑنے سے آخرت تو بنے گی ہی دنیا بھی اتنی ملے گی کہ گویا آسمان کے دہانے کھول دیئے گئے، اللہ تعالیٰ سب کو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا یقین عطاء فرمائیں۔

صاحبزادے فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آئی میں یوں کہہ دیتا: "زبیر کے مولیٰ میرا یہ کام کردے۔" وہ مشکل فوراً حل ہوجاتی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضی کے مطابق بنالیں، اپنی ذات پر توکل واعتماد عطاء فرمائیں۔ اپنی راہ میں جان ومال قربان کرنے کے جذبات عطاء فرمائیں اور پوری دنیا میں اسلام کی حکومت قائم کرنے کے لئے بلند ہمت عطاء فرمائیں اور کامیاب فرمائیں۔

وصل اللّٰھم وبارک وسلم علی عبدک ورسولک محمد
وعلی آلہ وصحبہ اجمعین
والحمدللہ رب العٰلمین

- آج گھر گھر لڑائی اور دنگا فساد کیوں برپا ہے ؟
- ہماری نوجوان نسل مادر پدر آزاد، اعلیٰ اخلاقی اقدار سے عاری، بے راہ روی کی دوڑ میں تمام حدود کیوں پھلانگ چکی ہے ؟
- میاں بیوی، اولاد و والدین اور استاذ و شاگرد آپس میں دست و گریبان کیوں ہیں ؟
- ہم پر انواع و اقسام کے امراض، آفات و بلیات اور حوادث کی بہتات کیوں ہے ؟
- ہر قسم کے اسباب راحت اور دنیوی آسائشوں کے باوجود لوگ زندگی سے تنگ اور آمادۂ خودکشی کیوں ہیں ؟
- اگر آپ ان سوالوں کا جواب جاننا چاہتے ہیں ـــــــ تو

فقیہ العصر مفتی اعظم، قطب الارشاد حضرت اقدس مفتی رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطبوعہ مواعظ کا مطالعہ کیجیے، جن کو پڑھ کر اب تک لاتعداد مسلمانوں کی زندگیوں میں انقلاب آگیا، ان گنت نوجوانوں کی صورتیں سنتِ نبویہ کے سانچے میں ڈھل گئیں، بے شمار آوارہ گرد بے پردہ خواتین شرعی پردہ کی پابند بن گئیں اور دربدر دھکے کھانے والے پریشان حال لوگوں کی پریشانیاں زائل ہوگئیں۔ یہ مواعظ ملک و بیرون ملک تقریباً بارہ مختلف زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان مواعظ میں بیان کئے گئے تیر بہدف نسخے ہر مسلمان کے تمام امراض اور پریشانیوں کا شافی علاج ہیں۔ نیز مختلف موضوعات پر حضرت والا کے گراں قدر مواعظ کی کیسٹیں بھی مندرجہ ذیل پتہ پر دستیاب ہیں۔

ملنے کا پتا: کتاب گھر
الناظم آباد نمبر ۴ کراچی نمبر ۱۸ ـ فون : { ۶۶۸۳۳۰۱ / ۶۲۳۶۶۶
السادات سینٹر بالمقابل دار الافتاء والارشاد

- آج گھر گھر لڑائی اور دنگا فساد کیوں برپا ہے؟
- ہماری نوجوان نسل مادر پدر آزاد، اعلیٰ اخلاقی اقدار سے عاری، بے راہ روی کی دوڑ میں تمام حدود کیوں پھلانگ چکی ہے؟
- میاں بیوی، اولاد و والدین اور استاذ و شاگرد آپس میں دست و گریبان کیوں ہیں؟
- ہم پر انواع و اقسام کے امراض، آفات و بلیات اور حوادث کی بہتات کیوں ہے؟
- ہر قسم کے اسباب راحت اور دنیوی آسائشوں کے باوجود لوگ زندگی سے تنگ اور آمادۂ خودکشی کیوں ہیں؟
- اگر آپ ان سوالوں کا جواب جاننا چاہتے ہیں ——— **تو**

فقیہ العصر مفتی اعظم، قطب الارشاد حضرت اقدس مفتی رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطبوعہ مواعظ کا مطالعہ کیجیے، جن کو پڑھ کر اب تک لاتعداد مسلمانوں کی زندگیوں میں انقلاب آگیا، ان گنت نوجوانوں کی صورتیں سنتِ نبویہ کے سانچے میں ڈھل گئیں، بے شمار آوارہ گرد بے پردہ خواتین شرعی پردہ کی پابند بن گئیں اور دربدر دھکے کھانے والے پریشان حال لوگوں کی پریشانیاں زائل ہوگئیں۔ یہ مواعظ ملک و بیرون ملک تقریباً بارہ مختلف زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان مواعظ میں بیان کئے گئے تیر بہدف نسخے ہر مسلمان کے تمام امراض اور پریشانیوں کا شافی علاج ہیں۔ نیز مختلف موضوعات پر حضرت والا کے گراں قدر مواعظ کی کیسٹیں بھی مندرجہ ذیل پتہ پر دستیاب ہیں۔

ملنے کا پتا: **کتاب گھر** السادات سینٹر بالمقابل دارالافتاء والارشاد ناظم آباد نمبر ۴ کراچی نمبر ۱۸ — فون: ۶۶۸۳۳۰۱، ۶۲۳۶۶۶۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آپ نے کبھی یہ بھی سوچا کہ دُنیا فسادات، قتل و غارت اور جان لیوا پریشانیوں کے عذاب میں کیوں گرفتار ہے؟

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کُلُّ اُمَّتِیۡ مُعَافٰی اِلَّا الۡمُجَاھِرِیۡنَ (صحیح بخاری)

"میری پوری اُمّت کو معاف کیا جا سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی علانیہ بغاوت کرنے والوں کو ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔"

اللہ تعالیٰ کی کھُلی بغاوتیں

① ڈاڑھی ایک مٹھی سے کم کرنا، کٹانا یا منڈانا۔ دل میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مبارکہ سے نفرت تو ایمان کہاں؟

② شرعی پردہ نہ کرنا۔

وہ قریبی رشتہ دار جن سے پردہ فرض ہے:

① چچازاد ② پھوپھی زاد ③ ماموں زاد ④ خالہ زاد
⑤ دیور ⑥ جیٹھ ⑦ نندوئی ⑧ بہنوئی
⑨ پھوپھا ⑩ خالو ⑪ شوہر کا بھتیجا ⑫ شوہر کا بھانجا
⑬ شوہر کا چچا ⑭ شوہر کا ماموں ⑮ شوہر کا پھوپھا ⑯ شوہر کا خالو

③ مردوں کا ٹخنے ڈھانکنا۔

④ بلاضرورت کسی جاندار کی تصویر کھینچنا، کھنچوانا، دیکھنا، رکھنا اور تصویر والی جگہ جانا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آپ نے کبھی یہ بھی سوچا کہ دُنیا فسادات، قتل و غارت اور جان لیوا پریشانیوں کے عذاب میں کیوں گرفتار ہے؟

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ (صحیح بخاری)

"میری پوری اُمت کو معاف کیا جا سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی علانیہ بغاوت کرنے والوں کو ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔"

اللہ تعالیٰ کی کھلی بغاوتیں

① ڈاڑھی ایک مٹھی سے کم کرنا، کٹانا یا منڈانا۔ دل میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مبارکہ سے نفرت تو ایمان کہاں؟

② شرعی پردہ نہ کرنا۔

وہ قریبی رشتہ دار جن سے پردہ فرض ہے:

① چچازاد ② پھوپھی زاد ③ ماموں زاد ④ خالہ زاد
⑤ دیور ⑥ جیٹھ ⑦ نندوئی ⑧ بہنوئی
⑨ پھوپھا ⑩ خالو ⑪ شوہر کا بھتیجا ⑫ شوہر کا بھانجا
⑬ شوہر کا چچا ⑭ شوہر کا ماموں ⑮ شوہر کا پھوپھا ⑯ شوہر کا خالو

③ مردوں کا ٹخنے ڈھانکنا۔

④ بلا ضرورت کسی جاندار کی تصویر کھینچنا، کھنچوانا، دیکھنا، رکھنا اور تصویر والی جگہ جانا۔

⑤ گانا باجا سننا۔

⑥ ٹی وی دیکھنا۔

⑦ حرام کھانا جیسے بینک اور انشورنس وغیرہ کی کمائی۔

⑧ غیبت کرنا اور سننا۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اُمت کو اپنی بغاوتوں اور ہر قسم کی نافرمانیوں سے بچنے کی توفیق عطاء فرما کر دنیا و آخرت کے ہر قسم کے عذاب اور ہر پریشانی سے نجات عطاء فرمائیں۔

رشید احمد

دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

۲۶ رجب ۱۴۱۵ھ

اللہ تعالیٰ کی ان علانیہ بغاوتوں اور کھلی نافرمانیوں کی تفصیل اور ان پر اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دنیا و آخرت میں سخت عذاب کی وعیدیں معلوم کرنے کے لئے

فقیہ العصر مفتئ اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا وعظ ”اللہ کے باغی مسلمان“ پڑھیں یا اس نام کی کیسٹیں سنیں۔

جان لیوا پریشانیوں سے مکمل نجات کے لئے

حضرتِ اقدس کے مواعظ کے کتابچوں اور کیسٹوں میں بیان کردہ نسخے آزمائیں اور انہی نسخوں کے استعمال سے مکمل قابلِ رشک سکون پانے والوں کے حیرت انگیز حالات کتاب ”بابُ العبر“ میں پڑھیں۔

⑤ گانا باجا سننا۔

⑥ ٹی وی دیکھنا۔

⑦ حرام کھانا جیسے بینک اور انشورنس وغیرہ کی کمائی۔

⑧ غیبت کرنا اور سننا۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اُمت کو اپنی بغاوتوں اور ہر قسم کی نافرمانیوں سے بچنے کی توفیق عطاء فرما کر دنیا و آخرت کے ہر قسم کے عذاب اور ہر پریشانی سے نجات عطاء فرمائیں۔

رشید احمد

دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

۲۶ رجب ۱۴۱۵ھ

اللہ تعالیٰ کی ان علانیہ بغاوتوں اور کھلی نافرمانیوں کی تفصیل اور ان پر اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دنیا و آخرت میں سخت عذاب کی وعیدیں معلوم کرنے کے لئے

فقیہ العصر مفتیٔ اعظم حضرتِ اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا وعظ "اللہ کے باغی مسلمان" پڑھیں یا اس نام کی کیسٹیں سنیں۔

جان لیوا پریشانیوں سے مکمل نجات کے لئے

حضرتِ اقدس کے مواعظ کے کتابچوں اور کیسٹوں میں بیان کردہ نسخے آزمائیں اور انہی نسخوں کے استعمال سے مکمل قابلِ رشک سکون پانے والوں کے حیرت انگیز حالات کتاب "بابُ العِبَر" میں پڑھیں۔